

تائید الاسلام

www.kitaboSunnat.com

تالیف

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

دال العالم مبینی



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِيقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

تائید الاسلام

(مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد باطلہ کا ناقدانہ جائزہ)

نائب

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری

دارالعلم

© جملہ حقوق اشاعت بحق ناشر محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات دارالعلم نمبر ۱۹

نام کتاب :	تائید الاسلام
تالیف :	علامہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
صفحات :	193
ناشر :	دارالعلم، ممبئی
طابع :	اکرم حقار
تعداد اشاعت :	ایک ہزار
تاریخ اشاعت :	نومبر ۲۰۰۶ء
مطبع :	بھادے پرائیویٹ لمیٹڈ



242, J B B Marg, (Belasis Road), Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel. (+91-22) 2308 8989, 2308 2231 fax (+91-22) 2302 0482
E-mail: dmpublication@yahoo.co.in

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری (۱۸۶۷ء - ۱۹۳۰ء) کو ان کی معروف کتاب سیرت ”رحمۃ للعالمین“ کی وجہ سے شہرت دوام حاصل ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ آپ اپنے عصر کے ان تمام باطل فرقوں اور تحریکوں پر بھی گہری نظر رکھتے تھے جو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف تھیں۔ رد عیسائیت اور رد قادیانیت میں آپ نے جو تحریریں چھوڑی ہیں ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمۃ للعالمین کے عظیم مصنف رحمت عالم ﷺ کے دین کے خلاف سرگرم عمل لوگوں کے خلاف ہمیشہ سینہ سپر رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی تردید میں زیر مطالعہ کتاب بتاتی ہے کہ آں رحمہ اللہ نے اس کے تمام عقائد محدثہ، خیالات باطلہ اور افکار ضالہ کو اس کی کتابوں سے بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ زیر مطالعہ کتاب ”تائید الاسلام“ ۱۸۹۸ء میں منہصہ شہود پر آئی تھی۔ اس میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود اور مہدی کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ ابتدائے کتاب میں ان تیس قرآنی آیات کی صحیح تفسیر پیش کی گئی ہے جن سے استدلال کرتے ہوئے مرزا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وفات یافتہ ثابت کیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ اب وہ دنیا میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔

قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب میں سنجیدگی اور متانت کو کہیں ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ ان کے دلائل کتاب و سنت سے مدلل اور ٹھوس ہیں، طرز استدلال منطقی اور دلوں کو اپیل کرنے والا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک ایک عبارت کو نوٹ کر کے اس کا جواب دیتے ہیں اور اس کی غلطیوں، گمراہیوں اور استدلال کی

کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مرزا نے جو دعوے کیے تھے اور جس طرح اس نے مغالطہ دینے کی کوشش کی تھی، قاضی صاحب نے اس کے ایک ایک دعویٰ کو بکھیر کر رکھ دیا ہے اور اس کی مغالطہ آمیزی کو آشکارا کیا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس فکر اور عقیدہ کا آدمی کس طرح اپنا حلقہ اثر بڑھانے میں کامیاب ہو گیا۔

آج جب کہ قادیانیت از سر نو زندہ ہو رہی ہے، دور دراز مسلم علاقوں میں اس کے داعی ناخواندہ اور اپنے دین سے غافل مسلمانوں کو قادیانی بنانے میں مصروف ہیں اور مادی لالچ کے ذریعے ان کے ایمان و عقیدہ کا سودا کر رہے ہیں، ضرورت ہے کہ اپنے اسلاف کی ان تحریروں کو دوبارہ شائع کیا جائے، جن کی وجہ سے ہزاروں خلق خدا کو صحیح راستہ ملتا تھا اور سیکڑوں افراد قادیانیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

موجودہ طباعت کی بنیاد کتاب کا وہ دوسرا ایڈیشن ہے، جو کریم پریس لاہور سے باہتمام میر قدرت اللہ ۱۳۴۴ھ میں شائع ہوا تھا۔ ادارہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی کا شکر گزار ہے کہ انھوں نے نہ صرف اس کتاب کی طباعت کا مشورہ دیا بلکہ اپنی نگرانی میں کمپوزنگ کرائی اور پروف کی تصحیح کر کے کتاب کو طباعت کے قابل بنایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنف رحمہ اللہ کو اجر جزیل عطا فرمائے اور طبع جدید کے جملہ معاونین اور اس کے ناشر کو خدمت علم و دین کی مزید توفیق بخشے آمین۔ یارب العالمین۔

اکرم مختار
دارالعلم، ممبئی
۸ جون ۲۰۰۶ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الم ۝ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هَدَى لِلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝

ترجمہ! خدا ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی، زندہ دنیا کی تدبیر فرماتا ہے۔ اُسی نے تجھ پر راستی اور حق کے ساتھ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے (اُسی نے) قبل ازیں لوگوں کی ہدایت کے لیے توریت و انجیل اتاری اور معجزہ نازل کیا۔ بیشک جو خدا کی نشانیوں کے منکر بنے اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور خداوند غالب بدلہ لینے والا ہے بیشک خدا سے نہ زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز چھپی نہیں، وہی ہے جو رجم کے اندر جیسے چاہتا ہے صورتیں بناتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہ) غالب حکمت والا ہے۔ وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیتیں تو جو کتاب کی اصل ہیں، واضح ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ جن کے دل میں کجی ہے۔ وہ شبہ والی کی پیروی کرتے ہیں گمراہی کے لیے۔ اور تاویل

وحقیقت چاہنے کے واسطے۔ (حالانکہ) اس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا مگر خدا۔ اور جو علم میں راسخ ہیں وہ کہتے ہیں ہمارا اس متشابہ پر ایمان ہے۔ یہ سب کچھ پروردگار کی جانب سے ہے۔ (ہاں نصیحت نہیں پاتے مگر دانشمند۔ (وہ عرض کیا کرتے ہیں کہ) اے پروردگار ہدایت دکھلانے کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ ڈال اور ہم کو اپنے ہاں کی رحمت سے (حصہ) دے۔ (کیونکہ) تو ہی عطا کنندہ ہے۔ اے خدا تو لوگوں کو اُس دن اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں۔ بیشک خدا کے وعدہ میں خلاف نہیں۔

خداے عز وجل کے لیے ہے شکر نعم
الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (فاتحہ)
زیادہ حد و وعدہ سے ہیں جس کے فضل و کرم
وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (ابراہیم)

وہی مالک ہے وہی مستعان وہی معبود
مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ إِلَيْكَ تَعْبُدُ وَإِلَيْكَ نَسْتَعِينُ
وہی گناہ کو بخشنے وہی سنے توبہ
غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (مومن)
وہی ہے رافع عز و علا و مجد و عطا
رُفِعَ مَنْ تَشَاءُ (آل عمران)
وہی ہمارے لیے ہادی رہ اقوم
إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ
مجید و صاحب عرش عظیم و لوح و قلم
ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ (بروج)
وہی ہے دافع درد و بلا و رنج و سقم
أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ
وَيَكْشِفُ السُّوءَ (نمل)

جلال اُس کا ہی آفاق کے لیے ہے محیط
فَإَيْنَمَا تُولُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ (بقرہ)
نوال اسی کا ہی ارزاق کے لیے مقسم
إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ
الْمَتِينِ (ذاریات)
کمال عقل بشر اس جناب میں مجہول
زبان نطق ہے خود اس کے وصف میں اکمل

لَا تُذِرْكُمُ الْأَبْصَارُ ' قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لَكَلِمَتِ رَبِّي

لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي

(کھف)

نمونہ قدرت باری کا ہے کہ صفحہ چرخ ہجوم نجوم سے ہوتا ہے دنیہ معلم

إِنَّا رَزَيْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةِ الْكَوَاكِبِ (الصَّقْتُ)

ہے شان صنعت صانع کہ ارض کا یہ کرہ نور سبزہ سے بننا ہے صفحہ ملحم

فَتَصْبِحُ الْأَرْضُ مُخَضَّرَةً (ج)

اُسی کے حکم سے قائم جبال شامخ ہیں اُسی لے امر سے سار ہے غیر اعظم

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَمِخَتْ

(الزَّيْنِ)

(المرسلات)

اُسی کی غایت حمد و ثناء ہے لا اھسی اُسی کے قول ہر اک پر ہے لا اھلم

وَلَا احْصَى ثَنَاءَ عَلَيْكَ (حَدِيث)

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا (بقر)

اُسی کے رحم کی امید تھی کہ طبع بشر ہوئی ہے بعد صدور خطا ندیم ندیم

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ (اعراف)

اُسی کے فضل نے تھی جو عذاب کی صورت بنائے مشغلہ زیست محنت آم

فَأَنْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (جمہ)

اُسی کی داد سے مہ کو ملا ہے سکھ سیم اُسی کے جود سے مہی کو کیسہ درم

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا (نوح)

اُسی کی مدح میں گویندہ ہیں صوف ام

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ (جمہ)

اُسی کے شوق میں پویندہ ہیں الوف ملل

وَعَلَى اللَّهِ قَضُ السَّبِيلِ

وَمِنْهَا جَائِزٌ (نحل)

اُسی جناب میں ہوتی ہے عرض رَبِّ اغْفِرْ اُسی سے کہتے ہیں وطم کہ سب سے ہے اقم

وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (مومنون)

اُسی کے فیض سے باغِ حدیث ہے شلاب اُسی کے نام سے قلبِ سلیم ہے خرم
وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ
(نحل)

اُسی کا نور ہے عالم میں سارِ وساری اُسی کا حکم جزِ کل پہ ثابت و ہرم
اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (نور) لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ (رعد)
اُسی نے فرشِ زمیں کو بچھا دیا ہموار اُسی نے سلکِ ثریا کو کر دیا درم
وَالْأَرْضُ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ (نحل)
(ذاریات)

اُسی کے خوض میں ہے یہ نشین دریا در اُسی کے شوق میں ہے آسمان گرا شبنم
وَلَهُ اسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (آل عمران)
اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ خاکِ سیاہ ہزاروں بیش بہا گنج کی رہے مدغم
هُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَزَا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (رعد)
ہزار نسلِ بشر مٹ گئی ہے ہو ہو کر رہے پر اس کے موالیدِ تازہ و خرم
مَالِكًا لَكُمْ أَنْ تَنْبِتُوا شَجَرَهَا إِيَّاكَ مَعَ اللَّهِ (نمل)

یہ دیکھ صنعتِ صانع کہ سخت ہے نہ رقیق ولیک حسبِ ضرورت ہے نرم و مستحکم
جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا (طہ)

اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے نزولِ میاں کہ اُس سے سبزہ وادہ نکلتے ہیں پیہم
وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ (ق)
اُسی کی آیتِ قدرت سے برق کی ہے چمک بچشمِ خوف و طمع جس کو دیکھتے ہیں ہم
وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا (روم)

اُسی کی آیتِ قدرت سے ہے کہ مردہ زمین حیاتِ تازہ سے بارِ درِ ہولی منضم
وَايَةُ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا (يٰسین)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ لیل و نہار ہمیں سکھاتے ہیں طرز و طریقِ راض و رم
وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِنْ فَضْلِهِ (روم)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ بین بجاہ بنادیے ہیں جزیرے مثال باغِ ارم
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (النمل)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ انسان کی لسان و لون میں نوعیں جدا جدا ہیں علم
وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ السِّنْيَتِكُمْ وَالْوَالِدَيْنِ (روم)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ گنبدِ چرخ مثال سقفِ غیرِ عم رہا ہے تھم
خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (لقمان)

اُسی کی آیت قدرت سے ہے کہ ہوتا ہے یہ موسموں کا تغیر یہ انقلابِ ام
ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ (مومنون)

اُسی کے حکم سے ٹھہرے ہوئے ہیں یہ لہجہ کہ موج رکھتی نہیں بڑھ کے اپنی حد سے قدم
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيْنَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيْنِ (الرحمن)

اُسی کے امر سے تھامے ہوئے ہیں سب طائر فضا میں جسم کو اپنے بلاترو غم
أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفْتٍ وَيَقْبِضْنَ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ (ملک)

اُسی کے نورِ تجلی سے طور ہے روشن اُسی کی بندہ نوازی سے نخل ہے مہم
فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ (اعراف) وَأَوْخَى بِرَبِّكَ إِلَى النَّخْلِ (نخل)

انسان میں جانبِ الطورِ تارا (قصص) اُسی کی ذاتِ مقدس کے سامنے سجدہ
لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقُّ (يونس)

وَأَسْجُدْ وَاللَّهِ (حم اسجدہ) وہی ہے ایک خدا اور لاشریک نہ
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ

غنی و مقدر و مالک و کریم و رحیم کہ ملک و حمد اُسی کو ہے اور کبر و قدم
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ حَيُّ لَا يَمُوتُ
حَلِيمٌ وَتَوَكَّنْ وَهُوَ حَصِثٌ وَتَمَّ

سلام و مؤمن و قدوس و خالق و باری مہمیں و جبروتی و خدیو عز و حکم
وَلَا الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى (مختصہ)

احد ہے اور صد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفو تا احد ہے وصف اتم
قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (اخلاص)
یہ شرک ہے کہ کہے کوئی اُس کو رب النوع وہ ہے مصور اشیا و خالق عالم
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ
(الممتحنہ) (الممتحنہ)

شریک خلق میں اُس کے نہ مادہ نہ روح مشیر امر میں اُس کے وزیر ہیں نہ خدم
أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (ملک)

اُسی کے خلق ہیں اور اُس کو پا نہیں سکتے فواد سمع و بصیر عقل درک لمس اور شم
لَا تُذَرِّكُمُ الْآبْصَارُ وَهُوَ يُذَرِّكُ الْآبْصَارَ (انعام)

ولیک صدق طلب ہو تو پڑ پڑ گئیہ ہے بام معرفت حق کے واسطے سلم
وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (والذاریات)
مرے کریم، مرے چارہ ساز بندہ نواز کثیر ہیں تیرے انعام و فیض اور اعم
هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْآبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (ملک)

ہے ایک حکم میں تیرے حیات اور ممات ہے سب کا تیرے ہی دوحرف میں وجود عدم
أَنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهَا كُنْ فَيَكُونُ (یس)

نہیں وجہ سے خلقت کے تیرے قدرت بیش نہ کچھ عدم سے ہے عالم کے تیری صنعت کم
ہو تیری عفو و رحیمی کا جس جگہ اظہار ہے مستحق کرامت گناہ اور ظلم
كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام) اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ
خواص ہیں متاثر تیرے بہ خوف درجا کہ ہے حجاب عدالت میں رحمت اور کرم

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا (مریم)

فرشتگان مقرب کہ انبیائے کرام بیان حمد میں سب کا ہے مہمل و مبہم
 نہ یہ مجاز کہ اک حرف بیش و کم بولیں نہ ان کی تاب کہ حد سے بڑھائیں ایک قدم
 (بقرہ) لا علم لنا ۳ لا اھی ۴ وَلَہٗ مَقَامٌ مَّغْلُومٌ (سافت)
 تیری جناب میں سب کی ہے التماس دعا تیری حضور میں سب کا سر اراوت خم
 وَلَہٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (آل عمران)
 نہ مال میرا مال طلب نہ دولت وجاہ کہ سب ہیں مشتمل اس فیض میں بنی آدم
 وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تَوْعَدُوْنَ (ذاریات)
 یہ التجا ہے یہی آرزو یہی خواہش مدام دل کی تمنا یہی بدیہ نم
 ہوں سدا متمسک نبی کی سنت سے قدم ہوں میرے صراط ہدیٰ پہ مستحکم
 وَلَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسُوۃٌ حَسَنَةٌ تَمَسَّکُوْا بِسُنَّتِیْ
 رگوں میں جوش لبو میں محبت اسلام بدن میں جان ہے یہ جب تک اور دم
 لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (بقرہ)
 تیرے حبیب نے جو امیوں کو دی تعلیم وہی ہو میرا عقیدہ نہ اُس سے بیش نہ کم
 وَیَعْلَمُوْهُمْ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (جمعہ) اُدْخِلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَۃً (بقرہ)
 رسول سید ابرار و احمد مختار نبی جہاں کے لیے رحمت اور مطاع ام
 وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِنُعَلِّمَیْنَ بِاِذْنِ اللّٰہِ (النساء)
 سراج و شاہد و داعی مبشر و منذر رسول کافہٗ ناس و بادشاہ حرم

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا
وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ
(النساء)
فَلَنُؤَلِّتَنَّكَ قَبْلَ تَرْضَاهَا (البقره)
(الاحزاب)
ہماری جان پہ ہم سے سواروف ورجیم
بِالْمُؤْمِنِينَ رَوْفٌ رَّحِيمٌ
عوام کا اب وجد سے ہے مایہ نازش ہیں
اُس کی ذات سے نازاں غلیل اور آدم

اناسید ولد آدم (حدیث)

رود اُس پہ اور اصحاب و آل پر اُس کے
لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُم (احزاب)
تو ہونا ک قیامت میں بن مرا ہم
يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَى عَنْ مَوْلَى شَيْئًا
وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ
(الدخان)

نہ فلسفہ میرا ایمان ہو نہ یہ طبعی
وَلَا تَتَّبِعِ السَّبِيلَ (انعام)
بُھکا ہوا ہے ادھر آج گرچہ اک عالم
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ
(مومنون)

نصیب احمدؑ و سلمان باپ بیٹے کے
فَاعْجَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ (ابراہیم)
تیری جناب میں بجمہ کہ اُس سے قرب بڑھے
وَأَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق)
نماز مسجد پاک نبی و طوف حرم
لَا تَشْدُوا الرِّحَالِ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ
درو تیرے نبی پر کہ اُس سے ہوں مکرّم
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ
وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب)

☆ حاشیہ: ۱: یہ رسالہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۲ ہجری کو ختم کیا چھپنے کے لیے مطبع میں بھیج دیا گیا تھا،

اما بعد ناظرین والا تمکین کو واضح ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے عقاید محدثہ پر نیاز مند نے ایک مختصر رسالہ ”غایت المرآء“ لکھا تھا۔ رب کریم کے محض افضال و کرم سے اس رسالہ کو قبولیت عام حاصل ہوئی اور اس دوسرے رسالہ کے لیے احباب و اخوان نے نہایت شوق ظاہر کیا لہذا ادب کے ساتھ یہ رسالہ بھی پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری نیت سے خوب آگاہ ہے۔ نہ مجھے مرزا صاحب سے کچھ خاصیت، نہ عناد، نہ ذاتی کاوش، نہ رنج۔ صرف دین خالص اور اسلام پاک کی محبت (جس پر رب کریم میری حیات اور موت کرے) اور حفاظت و نصرت کے خیال نے مجھے مجبور کیا کہ اس بارہ میں جو فہم اور سمجھ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو دی ہے اپنے بھائیوں کے سامنے ظاہر کروں اور ان عقائد محدثہ میں جو جو غلطیاں اور مغالطے مرزا صاحب کی تحریر سے مجھے معلوم ہوئے ہیں، ناظرین کے سامنے بیان کر دوں، انصاف مسلمان خود کر لیں گے اور اس ناچیز خدمت کا اجر و ثواب میری نیت میرے عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھ کر خود عطا فرمائے گا۔

اس مختصر رسالہ میں مرزا صاحب کے ازالہ اوہام کے تمام ضروری مطالب کا جواب لکھ دیا گیا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلنت والیہ انیب۔

محمد سلیمان ولد قاضی احمد شاہ۔ منصور پور۔ علاقہ ریاست پٹیالہ

۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

☆ بقیہ حاشیہ: چند در چند وجوہ سے چھپنے میں دیر ہوئی قصیدہ کا یہ شعر اُس وقت ہی لکھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناچیز کی دعا قبول فرمائی۔ اور اس کا ایک حصہ پورا بھی ہو گیا۔ یعنی ۱۳۱۳ ہجری میں والد بزرگوار کو حج اور زیارت مدینہ منورہ کا شرف حاصل ہوا۔ بندہ ناچیز کو اپنے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہی امید ہے اور توقع ہے کہ جس طرح یہ دعا قبول فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح یہ ناچیز عمل (کتاب تائید الاسلام) بھی درگاہ ایزدی میں درجہ قبولیت پائے گا۔ محمد سلیمان غنی عنہ۔ مصنف رسالہ قاضی محمد سلیمان صاحب بھی ۱۳۳۹ھ میں حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ خاکسار ”ہدایت اللہ“

دیباچہ طبع دوم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ
بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهدي الله فلا مضل
له ه ومن يضل فلا هادي له ونشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك
له ونشهد أن محمداً عبده ورسوله الذي لا نبي بعده وصلى الله
على نبيه خير خلقه محمد وآله وأصحابه وبارك وسلم۔

اما بعد یہ رسالہ تائید الاسلام مصنفہ جناب فاضل اجل علامہ قاضی حاجی محمد
سلیمان صاحب زید مجدہم العالی کا ہے جو ان کے رسالہ غایت المرام کا دوسرا حصہ
ہے۔ یہ دوسرا حصہ علامہ مدوح نے ۱۸۹۸ء میں اور پہلا حصہ ۱۸۹۳ء میں تحریر فرمایا
تھا۔ دونوں کتابیں اس قدر مقبول ہوئیں کہ شائع ہونے سے چند ماہ کے بعد ان کی
کوئی جلد بازار میں نہ رہی۔ لوگ اب تک ان کتابوں کے نہایت شائق تھے۔ اس
لیے اس احقر نے اب ان کتابوں کو مکرر چھپوایا ہے۔

علامہ مصنف کی یہ ہر دو تصنیفات ایسی جامع ہیں کہ ان کے بعد ہر ایک
تصنیف میں ان سے مدد لی گئی ہے اور عصائے موسیٰ کے قابل مصنف نے کشادہ دلی
سے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین اس کتاب کے ملاحظہ سے
نہایت خوش ہوں گے۔

احقر خلیفہ ہدایت اللہ پنشنر ضلع دارنہر

ساکن پٹیالہ ریاست

(پنجاب)

قرآن شریف کی وہ تیس آیتیں جن سے مرزا صاحب نے اپنی غلط فہمی سے مسیح ابن مریم کی موت ثابت کی ہے اور اُس غلط فہمی پر ہماری گذارشیں

(۱) پہلی آیت

﴿يَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَرَافِعَكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرَكَ مِنَ الذِّنِّ
كَفَرُوا وَجَاعِلُ الذِّنِّ اتَّبِعُواكَ فَوْقَ الذِّنِّ كَفَرُوا إِلَىٰ
يَوْمِ الْقِيَمَةِ﴾

”ازالہ“ میں تیس آیتوں کا مضمون ص ۵۹۸ سے شروع ہوا ہے۔ مرزا صاحب نے اس سب سے پہلی آیت سے وفات مسیح پر کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ صرف آیت کا ترجمہ کر دیا ہے۔ یہ تو اولین آیت مسئلہ پر آپ کا حال ہے ع سالیہ نکوست از بہارش پیدا۔ البتہ ترجمہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں: ”میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور پھر عزت کے ساتھ اپنی طرف اٹھانے والا“۔ اس ترجمہ پر بحث آگے آتی ہے۔

اس آیت اِنْسَىٰ مَرْيَمَ وَرَافِعَكَ إِلَىٰ کی نسبت مرزا صاحب نے ازالہ ص ۳۹۳ پر یہ اقرار کر لیا ہے کہ یہ آیت وعدہ وفات ہے (یعنی دلیل و خبر وفات نہیں) مگر میں حیران ہوں کہ وعدہ وفات دینے میں کیا مصلحت الہی ہو سکتی ہے؟ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کبھی یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ اُن پر موت وارد نہ ہوگی، حالانکہ ہر شخص خواہ مومن ہو خواہ کافر کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کو مانتا ہے۔ مرزا صاحب کا بیان ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے حضرت مسیح کو پکڑ کر صلیب پر کھینچنا چاہا، کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ رب کریم نے یہود کے اس ارادہ فاسد کے مقابلہ میں حضرت مسیح کا اطمینان فرمایا کہ تم صلیب پر

نہیں مرو گئے، بلکہ اپنی موت سے^۱ مرو گئے۔ عزت پاؤ گے، ان کافروں کے ارادہ فاسد سے پاک رہو گے۔ میرے نزدیک مرزا صاحب کی یہ خود تراشیدہ وجہ بھی وعدہ وفات کی مصلحت کے ظاہر کرنے میں بودی اور کمزور ہے۔ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ حضرت مسیح^۲ صلیب پر لٹکائے گئے۔ صلیب کی تختیوں سے ایسے قریب بہ مرگ ہو گئے کہ یہود نے مر جانے کا خیال کر لیا۔ سُنّت بھی قریب تھا۔ جلدی سے اُتار کر دفن کر گئے۔ حضرت مسیح^۳ کے یار و احباب نے آ کر اُن کو نکال لیا۔ پھر وہ خفیہ زندہ رہے اور اپنی موت سے مر گئے۔ یہ وجہ اس لئے کمزور اور بودی ہے کہ مرزا صاحب مانتے ہیں کہ صلیب پر لٹکائے جانے کے بعد پھر زندہ رہے اور مدتوں جئے۔ تو اندریں صورت اقتضائے مقام یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو وعدہ نجات دیتا کہ یہود تو تجھے صلیب پر لٹکانا چاہتے اور بے عزتی کے ساتھ ہلاک کرنا چاہتے ہیں، مگر میں تجھے ان کے ہاتھوں سے نجات دوں گا اور تو اپنی زندگی اور عمر کا بقیہ حصہ خاموشی اور امن کے ساتھ پورا کرے گا، نہ کہ برخلاف اس کے کہ ایک شخص جو موت کے سامان اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہے اور اپنے مرنے کا یقین کر رہا ہے اُس کی تسلی اور تسکینی ان الفاظ میں کی جائے کہ میں تجھے ماروں گا اور وفات دوں گا در اں حالیکہ مارنے اور وفات دینے میں ہنوز عرصہ دراز باقی ہے۔ ایسے موقعِ دل دہی اور اطمینان پر ایسے الفاظ کا استعمال دنیا کی کسی زبان میں بھی نہ ہوتا ہوگا۔ چہ جائے کہ رب کریم کے کلام میں ہو۔ جس کی بلاغت بدرجہ

☆ حاشیہ ۱: میں کہتا ہوں مرزا صاحب کی اس وجہ اور سب وعدہ وفات کے غلط ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو یہ تو اپنی پیدائش کے دن ہی معلوم ہو گیا تھا کہ وہ نہ قتل کئے جائیں گے اور نہ صلیب پر لٹکائے جائیں گے بلکہ سلامتی کی موت کے ساتھ اپنی انفاس حیات پوری کریں گے پڑھو یہ آیت و سلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا۔ پس یہ آیت بھی صاف دلالت کر رہی ہے کہ انی متوفیک کے معنی موت دوں گا ہرگز نہیں۔

غایت پہنچی ہوئی ہے ۱

اس سے ظاہر ہے کہ مرزا صاحب نے اس آیت کا جو ترجمہ کیا ہے وہی

☆ حاشیہ: ۱: آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کے جو معنی مرزا صاحب نے کئے ہیں اور اس معنی پر جو اعتراض ہم نے کیا ہے کہ آپ اس آیت کو حضرت مسیح کے لیے اطمینان دہ اور تسلی بخش مانتے ہیں۔ مگر آپ کا ترجمہ اس آیت کو اُن کے حق میں ایک پُر وحشت خبر اور پیام مرگ بتا رہا ہے اور ایک مقید و اسیر کو جو اپنی آنکھوں سے صلیب کو اپنے لیے تیار اور قوم کو اپنے قتل پر آمادہ دیکھے، موت فوری اور قتل ذلت کا یقین دلا رہا ہے۔ ہمارے اس اعتراض کا صحیح ہونا مرزا صاحب نے خود تسلیم کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واضح ہو کہ مسیح کو بہشت میں داخل ہونے اور خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھائے جانے کا وعدہ دیا گیا تھا، مگر وہ کسی اور وقت پر موقوف تھا، جو مسیح پر ظاہر نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن کریم میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وارد ہے، سو اس سخت گھبراہٹ کے وقت میں مسیح نے خیال کیا کہ شاید آج ہی وہ وعدہ پورا ہوگا۔ چونکہ مسیح ایک انسان تھا اور اس نے دیکھا کہ تمام سامان میرے مرنے کے موجود ہو گئے ہیں لہذا اس لیے برعایت اسباب گمان کیا کہ شاید آج میں مر جاؤں گا (ازالہ ص ۳۹۴)

مرزا صاحب ”مسیح ایک انسان تھا“ کہہ کر اپنے معنی کا نقص چھپانا چاہتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں مسیح ایک رسول تھا جس کے پاس یہود کے ہاتھوں سے نجات پا جانے کا وعدہ حتیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آچکا تھا۔ اس لیے لازمہ نبوت تھا کہ وہ ان کمزور بیچ کار بندوں کے اسباب کو بیت العنکبوت سے زیادہ کمزور خیال کرتا اور ذرا گھبراہٹ اس کے لاحق حال نہ ہوتی۔ بے شک ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کے استقلال و استقامت و صبر میں کبھی لغزش ظاہر نہیں ہوئی۔ یہود اور سلطنت کے مخالفوں کے سامنے اُن کا بھروسہ خدائے کریم پر تھا اور اُس نے اس کو بچا بھی لیا حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح کے استقامت احوال پر یہ جو اعتراض ہوتا ہے وہ بھی مرزا جی کے ترجمہ کی خرابی کا موجب ہے ورنہ نبی کی شان اس سے اعلیٰ و برتر ہے۔

اپنی غلطی پر اندرونی شہادت رکھتا ہے اور آواز بلند پکار رہا ہے کہ الفاظ ربانی کے ایسے معانی کرنا جس کے ایک پہلو سے اللہ تعالیٰ پر فعل عبث اور کلام بے محل کا الزام آتا ہو اور دوسرے پہلو سے حضرت عیسیٰ پر غلط فہمی کا اعتراض قائم ہوتا ہو، بالکل بے بصیرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کو اُس کے درجہ علیا سے منزل کر دینا ہے اور متسوفیک کا ترجمہ ”تجھے ماروں گا“ کرنے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ترجمہ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا پہلے الفاظ سے کچھ مناسبت نہیں رکھتا، کیونکہ جس عزت کی موت کا وعدہ تھا یا تو وہ عزت جسمانی ہو سکتی ہے جو بقول آپ کے حضرت مسیح کو نصیب نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ تادم زیست یہودیوں کے خوف سے چھپے ہی رہے۔ گمنامی کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور معمولی طور پر مرجانا جسمانی لحاظ سے باعزت موت نہیں ہو سکتی، ایسی کہ اُس کا وعدہ بھی منجانب اللہ دیا گیا ہو اور یا وہ عزت روحانی ہو سکتی ہے یعنی اعلیٰ علیین میں روح کا جاگزیں ہونا وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ سب امور تو انبیاء کو یقیناً حاصل ہوتے ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس کو سو، خاتمہ کا خوف ہو۔ یا سلب ایمان کا ڈر، پس اس اعتبار سے بھی یہ وعدہ ایک فعل لایعنی ہوا اور جس کے یہ معنی ہیں کہ یہود کی مخالفت دیکھ کر خود حضرت مسیح کو بھی اپنی صداقت اور نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ جس کا دفعیہ خدائے تعالیٰ کو کرنا پڑا کہ نہیں تو شک نہ کر، تو سچا ہے اور اس لیے تو عزت کے ساتھ ہمارے پاس آئے گا۔ مُتَوَفِّيكَ کے ترجمہ ”ماروں گا“ کی غلطی تو لفظ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ابھی ظاہر کرتا ہے۔ جب مرزا صاحب کا اقرار ہے کہ حضرت مسیح یہود کے ہاتھوں صلیب پر لٹکائے گئے (گو اُن کو صلیب پر وفات پانے کا انکار ہے) اور توریت کے خاص الفاظ یہی ہیں کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا (دیکھو صلیب پر لٹک کر مر گیا توریت بھی نہیں کہتی) وہ لعنتی ہے، تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیح کو یہود کی آنکھوں میں تطہیر حاصل نہیں ہوئی۔ حالانکہ وعدہ تطہیر کا تھا۔

اب ناظرین یہ بھی خیال فرمائیں کہ مرزا صاحب نے ان ہر چہار فعلوں

میں ترتیب طبعی کو تسلیم کر لیا ہے حالانکہ اُن کی بتلائی ہوئی وجہ سے جس کا ذکر اوپر ہوا وَمُطَهَّرَكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا كَوْمُوفِيكَ وَرَافِعَكَ پر تقدم زمانی حاصل ہے۔ کیونکہ تطہیر کے معنی ان کے نزدیک صلیب پر لٹکے ہوئے وفات نہ پانا ہے جو واقعہ صلیب سے اگلے روز ہی اُن کو حاصل ہو گئی تھی اور جب تقدم زمانی ثابت ہوئی تو پھر اُن کا یہ مذہب کہ تقدیم وتاخیر الفاظ قرآنی میں صریح الحاد ہے۔ انھی پر لوٹ پڑے گا۔ غرض یہ ترجمہ ہی اپنی بطلان پر خود شاہد ہے۔

اس جگہ تقدیم وتاخیر الفاظ کی نسبت بھی مجھے کچھ گزارش کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ مَتَّوْفِيكَ کے معنی مُوَيَّتَكَ ہیں۔ اس پر وہی اعتراض وارد ہوتے جواب مرزا صاحب کے ترجمہ پر ہوئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ الفاظ مَتَّوْفِيكَ وَرَافِعَكَ اِلٰی میں تقدیم وتاخیر ہے۔ مرزا صاحب اس مقام پر آ کر ایسے غضب میں بھر جاتے ہیں کہ تقدیم وتاخیر الفاظ کا نام الحاد قرار دیتے ہیں اور اُن کے خوش فہم مرید بھی بحق صحابی رسول، مفسر قرآن، فقیہ فی الدین، برادر عم زاد نبی ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فتوے الحاد پر بڑے نازاں ہو رہے ہیں۔ اگر اُن کو نظم قرآنی پر ذرا غور کا موقع بھی ملا ہوتا تو یہ حرف کبھی زبان پر نہ لاتے۔

امام جلال الدین سیوطی نے (جس کی نسبت مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ وہ کشف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیق مسائل اور تصحیح احادیث کر لیتے تھے) لکھا ہے:

النوع الرابع والاربعون فی مقدمه ومؤخره وهو قسمان۔
الاول ما اشکل معناه بحسب الظاهر فلما عرف انه من باب التقديم
والتاخير اتضح وهو جدیر ان ینفرد بالتصنيف وقد تعرض السلف
لذلك فی مات فاخرج ابن ابی حاتم عن قتادة فی قوله فلا تعجبک
اسرالهم ولا اولادهم انما یرید الله لیعذبهم بها فی الحیوة الدنیا قال

هذا من تقادیم الکلام تقول لاتعجبک اموالهم ولا اولادهم فی الحیوة الدنیا انما یرید الله ان یعذبهم بها فی الاخرة. وخرج عنه ایضا فی قوله ولولا کلمة سبقت من ربک لکان لزاما واجل مسمى قال هذا من تقادیم الکلام تقول لولا کلمة واجل مسمى لکان لزاما وخرج عن مجاهد فی قوله انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا قیما قال هذا من التقدیم والتاخیر انزل علی عبده الکتاب قیما ولم یجعل له عوجا وخرج عن قتادة فی قوله انی متوفیک ورافعک الی قال هذا من المقدم والمؤخر انی رافعک الی ومتوفیک. وخرج عن عکرمة فی قوله لهم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب قال هذا من التقدیم والتاخیر یقول لهم یوم الحساب عذاب شدید بمانسوا. وخرج ابن جریر عن ابی زید فی قوله ولولا فضل الله علیم ورحمته لاتبعتم الشیطان الا قلیلا. قال هذه الایة مقدمة ومؤخرة انما هی اذا عوبه الا قلیلا منهم ولولا فضل الله علیکم ورحمة لم ینج قلیل ولا کثیر. وخرج ابن عباس فی قوله فقالوا ارنا الله جهرة فقال انهم اذا راوا الله فقد راوه انما قالوا جهرة ارنا الله قال هو مقدم ومؤخر قال ابن جریر یعنی ان سوالهم کان جهرة ومن قوله واذ قتلتم نفسا فادارتم فیها قال البغوی هذا اول القصة وان کان مؤخرا فی التلاوة وقال الواحدی کان الاختلاف فی القائل قبل ذبح البقرة وانما اخر فی الکلام لما قال ان الله یامرکم انه علم المخاطبون ان البقرة لا تذبح الا لدلالته علی قاتل خفیت عینه علیهم فلما استقر علم هذا فی نفوسهم اتبع بقوله واذ قتلتم نفسا فادارتم فیها فاسالتم موسی فقال ان الله یامرکم ان تذبحوا بقرۃ ومنه افرایت من اتخذ الله هواه والاصل هواه الله لان من

اتخذ الله هواه غير مذموم فقدم المفعول الثاني للعناية به وقوله اخرج المرعى فجعله غثاء احوى على تفسير احوى بالخضر۔ وجعله تخمًا للمرعى۔ اى اخرجه احوى فجعله غثاء واخر رعاية للفاصلة وقوله غرايب سود والاصل سود غرايب لان الغرايب الشديد السواد وقوله فضحكت فبشرناها اى فبشرناها فضحكت وقد الف فيه العلامة شمس الدين ابن الصابع كتابه المقدمة فى سر الالفاظ المقدمة الخ (الاتقان ص ۳۰۰)

ترجمہ! چوالیسویں فصل۔ قرآن مجید کے الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے بیان میں اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ ظاہر عبارت کے معنی کرنے مشکل ہوں۔ مگر جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے تو معنی واضح ہو جائیں۔ یہ قسم اس قابل ہے کہ اس میں جداگانہ تصنیف کی جائے۔ چنانچہ سلف نے بہت سی آیات میں توجہ بھی کی ہے۔ ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ آیت:

﴿فَلَا تَعْجَبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ میں تقدیم ہے۔ یعنی لا تعجبك اموالهم ولا اولادهم فى الحياة الدنيا انما يريد الله ان يعذبهم فى آخرة ہے۔ قتادہ سے ہی مروی ہے کہ ﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَاجِلٌ مُّسَمًّى﴾ میں بھی تقدیم کلام ہے۔ گویا یوں ہے لَوْلَا كَلِمَةٌ وَاجِلٌ مُّسَمًّى لَكَانَ لِزَامًا۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ ﴿أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا قَيِّمًا﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ گویا یوں ہے انزل على عبده الكتاب قيما ولم يجعل له عوجا اور قتادہ سے مروی ہے کہ ﴿إِنِّى مُتَوَفِّىكَ وَرَافِعُكَ إِلَى﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ گویا یوں ہے انى رافعك الى ومتوفيك۔ عکرمہ سے مروی ہے کہ آیت ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی لهم يوم الحساب عذاب شديد

بمانسوا ہے اور ابن جریر نے ابن زید سے روایت کی ہے کہ آیت :

﴿إِذْ جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى
الرَّسُولِ وَالْإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا
فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ میں تقدیم و تاخیر
ہے۔ یعنی الا قلیلا جو آیت کے آخر میں ہے یہ اذا عوبہ کے متعلق ہے۔ کیونکہ
اگر فضل اور رحمت الہی نہ ہوتی تو کیا قلیل کیا کثیر کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ اور ابن
عباس سے مروی ہے کہ فَقَالُوا أَرَنَا اللَّهُ جَهْرَةً کی کیا ضرورت ہے۔ پس آیت
اور معنی یہ ہیں قالوا جهره اربنا الله انہوں نے کھلم کھلا آ کر کہا ہم کو خداوند
دکھلا دے۔ ابن جریر نے تشریح کر دی ہے کہ ان کا یہ سوال بہ جہر تھا۔ علیٰ ہذا آیت :
﴿وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَآذَرْتُمْ فِيهَا﴾ بغوی نے لکھا ہے کہ یہ اول قصہ ہے۔ گو
تلاوت اور نظم و ترتیب کلام میں موخر ہے۔ واحدی نے بیان کیا کہ ذبح بقر سے پہلے
قاتل میں اختلاف تھا اور اس کے موخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے
یا امرکم فرمایا تو مخالفین سمجھ گئے کہ بقر اس لیے ذبح ہوتا ہے کہ قاتل پر دلالت
کرے۔ پہلے تو یہ بات ہی ان کی سمجھ میں نہ آئی مگر جب یہ علم ان کے نفوس میں قائم
ہو گیا تب واذ قتلتم نفسا الخ فرمایا۔ حضرت ابن عباس ہی سے مروی ہے کہ
﴿أَفَرَأَيْتُمْ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ﴾ میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل میں من اتخذ
ہواہ الہہ ہے کیونکہ نظم موجودہ کی صورت میں یہ معنی ہیں کہ جو شخص اپنے معبود کو ہی
اپنی خواہش بناتا ہے اور یہ غیر مذموم ہے اس جگہ مفعول ثانی کو اس پر عنایت کی راہ
سے مقدم کیا ہے۔ اس آیت (اخرج المرعى فجعله غثاء احوى) میں بھی
تقدیم و تاخیر ہے جبکہ احوی کے معنی اخضر ہوں۔ اس کو موخر صرف رعایت فواصل سے
کیا گیا ہے اور اس آیت ﴿غَرَابِيبُ سُودٍ﴾ میں بھی تقدیم و تاخیر ہے اور اصل
میں سود غرابیب ہے کیونکہ غرابیب سخت سیاہ کو کہتے ہیں اور اس آیت
﴿فَضَحَكْتُ فَتَبَشَّرُنَاَهَا﴾ میں بھی تقدیم و تاخیر ہے یعنی فبشرناہا

فضحکت ہے۔ علامہ شمس الدین ابن الصالح نے اسی مضمون میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام المقدمہ فی سرالفاظ المقدمہ ہے۔“

اس امام ہمام کی تحقیقات نفیسہ سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت ابن عباس کا یہ مذہب نہ صرف آیت تنازعہ فیہ میں یہ ہے کہ الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے بلکہ دیگر آیات میں بھی یہی مذہب ہے اور ائمہ ملت نے اس تقدیم و تاخیر کو ایسا مہتمم بالشان سمجھا ہے کہ جداگانہ تصنیف اس کے لئے کی ہے اور تقدیم و تاخیر الفاظ میں جو راز دقیقہ اور بلاغت بالغہ ہے، اُس کے انکشاف میں سعی فرمائی ہے۔

ناظرین! مرزا صاحب کے الفاظ ترجمہ پر مکرر غور فرمائیں کہ اگر ان کے ترجمہ کے موافق متوفیک سے وفات جسمی اور رفع سے عروج روحی مراد لی جائے تو لامحالہ عبارت میں یہ تقدیر مانتی پڑے گی۔ انسی متوفی جسدک و رافع روحک، حالانکہ معنی بنانے کے لئے قرآن شریف کی عبارت میں الفاظ کی تقدیر مرزا صاحب کے مذہب میں الحاد اور کفر ہے۔

خیال کرنا چاہئے کہ اس جگہ چار فعل ہیں اور ان چاروں فعلوں کا فاعل باری تعالیٰ ہے اور ان چاروں فعلوں میں مخاطب یا عیسیٰ ہیں جن پر ان افعال کا اثر مترتب ہوتا ہے۔ اب یہ طے کر لینا چاہئے کہ لفظ عیسیٰ جو اسم ہے یہ مسیٰ کے صرف جسم یا صرف روح پر دلالت کرتا ہے یا جسم و روح دونوں پر۔ مرزا صاحب کا مذہب بہت ہی عجیب ہے وہ انسی متوفیک میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف جسم مراد لیتے ہیں کیونکہ توفی کے معنی وہ روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتلاتے ہیں۔ اور رافعک الی میں ک کا مرجع یا عیسیٰ سے صرف روح عیسیٰ لیتے ہیں اور مطہرک اور اتبعوک میں یا عیسیٰ کا مرجع جسم و روح دونوں کو۔ اور اس طرح پر وہ آیت کا ترجمہ کر سکنے کے قابل ہوتے ہیں جو سراسر نظم قرآنی کے خلاف اور شان کلام ربانی سے بعید ہے۔

ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ براہین احمدیہ میں جس کو خدا کے حکم والہام سے

مرزا صاحب نے لکھا اور جس کو کشف میں حضرت سیدہ فاطمہ زہرا نے مرزا صاحب کو یہ کہہ کر دیا کہ یہ تفسیر علی مرتضیٰ ہے۔ مرزا صاحب نے آیت یَعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ کا اپنے اوپر الہام ہونا لکھا ہے اور پھر اس کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ ”اے عیسیٰ میں تجھے پوری نعمت دوں گا“۔ ظاہر ہے کہ اگر متوفیک کے معنی حقیقی تجھے ماروں گا ہوتے تو الہامی کتاب اور کشفی تفسیر میں یہ ترجمہ اس کا نہ کیا جاتا۔ مرزا صاحب اس وقت بھی کچھ جاہل نہ تھے جو توفی کے معنی نہ جانتے ہوں۔ پس اگر یہ ترجمہ اُن کے لئے جائز اور صحیح ترجمہ تھا تو حضرت مسیح کے لئے کیوں یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اگر مرزا صاحب فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کے الہام میں تو اس وقت بھی متوفیک کے معنی ”ماروں گا“، مراوتھی، مگر ترجمہ کرنے میں غلطی ہوئی تو خیر یہ بھی سہی مگر ظاہر ہے کہ براہین میں اس الہام کو چھپے ہوئے یعنی مرزا صاحب کو خبر وفات منجانب باری تعالیٰ ملے ہوئے پندرہ سال کا عرصہ ہو چکا ہے اور مرزا صاحب کو اب تک موت نہیں آئی تو اس سے واضح ہوا کہ جس طرح مرزا صاحب کے لئے بعد از خبر وفات پندرہ سال کا عرصہ اوپر گذر جانا جائز ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح کے لئے صدیوں کا عرصہ گذر جانا بھی جائز ہے اور اس صورت میں حضرت ابن عباس کا مذہب ماننا پڑے گا۔ توفیٰ کی لغوی بحث آگے آتی ہے۔

(۲) دوسری آیت مرزا صاحب نے وفات عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ پیش کی ہے۔ انہوں نے اس کا ترجمہ بدیں الفاظ کیا ہے ”بلکہ خدائے تعالیٰ نے عزت کے ساتھ اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔“ ترجمہ کے بعد پھر لکھا ہے اس جگہ رفع سے مراد موت ہے جو عزت کے ساتھ ہو جیسا کہ دوسری آیت اس پر دلالت کرتی ہے: ﴿وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا﴾

مرزا صاحب نے مراد کا لفظ لکھ کر ثابت کر دیا کہ وہ اس جگہ مرادی ترجمہ کرتے ہیں اور ترجمہ آیت میں حسب مراد خود جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ نیز ثابت کر دیا کہ اس جگہ رفع کے لغوی معنی مرزا صاحب کے مذہب کو دفع کر رہے

ہیں۔ آیت ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ جو حضرت ادریس کی شان میں ہے۔ وہ نہ ان مرادی معنی پر دلالت کرتی ہے اور نہ مرزا صاحب کے کچھ مفید ہی ہے کیونکہ یہاں رفع کا لفظ مکانا علیا سے مضاف ہے اور جس کے یہ معنی ہیں کہ رب کریم نے حضرت ادریس کو رتبہ علیا پر فائز کیا اور منصب برتر پر ممتاز فرمایا۔ ایسا ہی دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾

”یہ رسول ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے اور بعض کے درجے ہم نے بلند کئے ہیں۔“

اس میں رفع کو درجات کی طرف مضاف کیا ہے۔ پس واضح ہوا کہ مرزا صاحب نے یہ مرادی معنی تو اللہ تعالیٰ کے مقصود و مطلوب کلام کے خلاف کئے ہیں لہذا روشن ہوا کہ رفع کے معنی یہاں بھی وہی ہیں جو لغت میں ہیں اور جو ہر جگہ لئے اور سمجھے سمجھائے بولے جاتے ہیں یعنی بلند کرنا۔ اب چونکہ یہاں رفع کا لفظ ہے اور وہ الٰہی کی طرف مضاف ہے تو صاف اور سیدھے معنی جن کو لغت کی امان حاصل ہے، یہ ہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو اپنی طرف اوپر اٹھالیا۔ الٰہی کے معنی میں فوق، جہت، علو کی بحث (جو مسئلہ صفات کا حصہ ہے) شامل کی جاسکتی ہے، مگر میں امید کرتا ہوں کہ آپ ان صفات الٰہی سے منکر نہ ہوں گے اور مسئلہ صفات میں اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب چھوڑ نہ بیٹھے ہوں گے۔

ناظرین بجائے اس کے کہ مرزا صاحب اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت کر سکتے۔ اُن کو شروع تقریر میں ہی اپنے ضعف استدلال کا خود اقرار کرنا پڑا اور یہ ماننا لازمی ہوا کہ جو معنی ہم نے کئے ہیں وہ مرادی معنی ہیں۔ مجھے نہایت تعجب آتا ہے کہ توفسی کے لفظ پر تو مرزا صاحب نے اتنا زور دیا ہے کہ گویا تمام بحث کا لب لباب اور کل دلائل کا عطر مجموعہ یہی لفظ ہے اور وہ سارا زور صرف اس

بات پر ہے کہ توفی کے لغوی اور اصلی معنی وفات کے ہیں، مگر رفع میں آ کر اُس تمام جوش و خروش کو سینہ میں دبا کر چاہتے ہیں کہ اُس کے لغوی اور اصلی معنی کو چھوڑ کر مرادی معنی لے لیں اور اس طرح پر آدھا تیر آدھا بیڑ کی مثل کے موافق تب انسی متوفیک ورافعک الی کا ترجمہ کر سکتے اور بل رفعہ اللہ الیہ سے استدلال کرنے کے قابل ہوں۔ میں اس مقام پر زیادہ بحث اس لئے نہیں کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بھی اس دلیل کے موقع اور مقام پر بجز مرادی معنی لکھ دینے کے اور کچھ نہیں لکھ سکے۔ آگے چل کر اس کی بحث پھر آئے گی تاہم مرزا صاحب کے غور کے لئے اس قدر یہاں اور بھی لکھ دینا چاہتا ہوں کہ حضرت وعدہ تو ہوا تھا ان الفاظ میں انسی متوفیک ورافعک الی اور پھر جب اس وعدہ کے ایفاء کی خبر دی تو ان الفاظ بل رفع اللہ الیہ میں دی۔ آپ نے ازالہ کے مختلف مقامات پر واضح لفظوں میں تسلیم کر لیا ہے کہ ورافعک الی کے معنی باعزت موت لینے کے لئے یہ قرینہ ہے کہ متوفیک اُس سے پہلے پڑا ہوا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ اگر متوفیک اس سے پہلے نہ ہوتا تو ورافعک الی کے معنی باعزت موت کے لینے جائز نہ تھے۔ لیجئے جناب خبر ایفاء وعدہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن دو وعدوں کے لفظوں میں سے ایسے لفظ پر اختصار فرمایا ہے جس کے معنی کو نہ ہقیقہ نہ مجازاً موت سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کیا آپ اس کا راز بیان کر سکتے ہیں۔ دیکھنا کہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب جس کو آپ نے الحاق قرار دیا ہے، وہی صحیح نہ ہو جاوے کہ ورافعک الی الان ومتوفیک بعد نزول علی الارض۔

ناظرین یہ مرزا صاحب کا دوسری متدلہ آیت میں حال ہے کہ نصوص شرعیہ کے الفاظ کو مرادی معنی کے تابع کیا جاتا ہے۔

(۳) تیسری آیت وفات عیسیٰ علیہ السلام پر مرزا صاحب نے

﴿فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي﴾ پیش کی۔ اس آیت کی ضمن میں لفظ توفی پر نہایت پُر جوش اور زور دار لفظوں میں بحث کی ہے: لکھا ہے۔ توفی کے معنی امات اور قبض روح ہیں۔

بعض علماء نے الحاد اور تحریف سے اس جگہ توفیتنی^۱ سے رفع تنی مراد لیا ہے اور اس طرف ذرا خیال نہیں کیا کہ یہ معنی نہ صرف لغت کے مخالف بلکہ سارے قرآن کے مخالف ہیں پس یہی تو الحاد ہے۔ قرآن شریف میں اول سے آخر تک بلکہ صحاح ستہ میں بھی انہی معنی کا التزام کیا گیا ہے۔ (ازالہ ص ۶۰۱)

اب مجھے لازم ہے کہ توفی کے لفظ پر بحث کروں اور لغت نیز قرآن مجید سے اُس کے معنی امانت اور قبض روح کے سوا اور بھی ثابت کر دوں۔ پہلے لغت کی کتابوں کو لیجئے۔

(۱) صحاح میں ہے اوفاه حقہ (باب افعال سے) اور وفاه حقہ (باب تفعیل سے) اور استوفاه حقہ (باب استفعال سے) اور توفاه (باب تفعیل سے جو زیر بحث ہے) سب ایک ہی معنی رکھتے ہیں کہ اُس کا حق پورا دے دیا۔ توفاه اللہ کے معنی قبض روح ہیں اور توافی کے معنی نیند۔

(۲) ایفاء گزاردن حق کے بہ تمام۔ ویقال منه و اوفاه حقہ،

☆ حاشیہ: ۱: مرزا صاحب دیکھیں کہ جب آپ نے محض ایک لفظ توفیتنی کے معنی رفع تنی لینے سے سینکڑوں سال کے مرے ہوئے ہزاروں علماء پر فتویٰ الحاد جاری کر دیا اور ان کو ملحد کہنے میں اُن کے ایمان و اسلام، اقرار شہادتین وغیرہ کا کچھ خیال نہ کیا تب آپ کو حال کے علما سے اپنے فتوے تکفیر کے بارہ میں کیا شکایت ہو سکتی ہے جنہوں نے آپ کی تصانیف میں ہزاروں ایسے نمونہ پائے ہیں جن کو وہ، نیز تیرہ سو سال کے پہلے مسلمان کفر سمجھتے رہے ہیں (گو آپ کے زمانہ مجددیت نے اب اُن کو تجدید اسلام کا نام عطا فرما دیا ہو) کیا من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا کی حدیث کو آپ صرف اپنے بچاؤ کا حصار جانتے ہیں مگر خود حملہ کرنے کے وقت حریف کو اس کی آڑ لینے بھی نہیں دیتے۔ میں مولوی محمد احسن صاحب امر و ہوی سے التماس کرتا ہوں کہ وہ اپنی کتاب تحذیر المؤمنین عن کفار المسلمین سب سے پہلے اپنے پیرومرشد کے ملاحظہ کے لئے پیش کریں۔

ووفاه، استیفا وتوفی تمام گزشتن حق۔ وتوفاه اللہ ای قبض روحہ
وفاتہ مردن۔ موافاة رسیدن و آمدن، وتوافی القوم ای تناموا

(۳) قاموس میں ہے اوفافلانا حقہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کو پورا حق
دے دیا۔ جیسے وفاه اور اوفاه اور استوفاه اور توفاه کے یہی معنی ہیں۔ وفات
بمعنی موت ہے۔ توفاه اللہ کے معنی قبض روح ہیں۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ
کتب مذکورہ بالا سے اُن کو کوئی ایسی مثال یا محاورہ دکھلایا جائے جس میں لفظ توفی
بمعنی قبض جسم بولا گیا ہو۔ اب وہ توفاه حقہ کے محاورہ پر غور کریں جس سے درہم
و دینار وغیرہ اجسام کا قبض کرنا ثابت ہے۔

اب تفاسیر کی طرف آئیے۔ تفسیر بیضاوی میں ہے توفی کسی چیز کے پورا
لینے کو کہتے ہیں (مرزا صاحب جو توفی کے معنی روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا
بتاتے تھے اور کہتے تھے اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں، وہ ذرا اس لفظ پر خیال فرمائیں
جو بیضاوی جیسے تبحر و ماہر نے لکھا ہے التوفی اخذا و افیا) مارنا اس کی ایک قسم
ہے (اور نیند اس کی دوسری قسم) ان دونوں قسموں کا اس قول ربانی میں ذکر ہے۔
خدائے تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت پورا لیتا ہے (یعنی مارتا ہے) اور جو نہیں مرتے
اُن کو نیند میں پورا لیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے)

تفسیر کبیر میں ہے توفی کے معنی قبض کرنا ہے۔ اس لفظ سے عرب کے
محاورات یہ ہیں: وفانی فلان دراہمی، و اوفانی وتوفیتھا منہ یعنی فلاں
شخص نے میرے درہم میرے قبضہ میں دے دیئے اور میں نے اس سے پورے کر
لئے۔ (خیال فرمائیے یہ محاورہ قبض جسم کی مثال ہے، جس کے مرزا صاحب منکر ہیں)
جیسے یہ محاورات ہیں سلم فلان دراہمی الی وتسلمتھا منہ یعنی فلاں شخص
نے میرے درہم مجھے سپرد کر دیئے اور میں نے اُس سے لے لئے اور کبھی
توفی بمعنی استوفی آتا ہے جس کے معنی پورا لینے کے ہیں۔ ان دونوں معنی کے
اعتبار سے (کہ خود توفی کے معنی بھی قبض کرنا ہے اور توفی کے معنی استوفی بھی ہیں)

حضرت مسیح کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر چڑھالے جانا اُن کی توفی ہے۔ اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ جب توفی بعینہ رفع جسم ہوا، تو متوفیک کے بعد رافعک الی کہنا تکرار بلا فائدہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ متوفیک فرمانے سے صرف قبض کرنا معلوم ہوا جو ایک جنس اور عام مفہوم ہے اور اس کے تحت میں کئی انواع و اقسام پائے جاتے ہیں (۱) موت (جس میں صرف روح کو قبض کرنا ہوتا ہے) (۲) جسم کو آسمان پر لے جانا (جس میں روح کی شمولیت بھی پائی جاتی ہے) (۳) نوم جس میں ایک قسم کا قبض روح ہوتا ہے۔ پس جب متوفیک فرمانے کے بعد رافعک الی بھی فرما دیا تو اس سے اس جنس کی ایک نوع کا تقرر ہو گیا اور تکرار لازم نہ آیا۔

اسی تفسیر میں آیات زیر بحث کی تفسیر میں ہے۔ یتوفاکم باللیل کے معنی ہیں، خدائے تعالیٰ تم کو رات کو سلا دیتا ہے اور تمہاری ان ارواح کو قبض کر لیتا ہے جن سے تم ادراک اور تمیز کر سکتے ہو، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے کہ خدائے تعالیٰ ارواح کو نیند کے ساتھ قبض کرتا ہے جیسا کہ موت کے ساتھ قبض کرتا ہے۔

لغات اور تفاسیر کے بعد آپ قرآن مجید کی آیات ذیل پر غور فرمائیے:

﴿وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَبْعَثُكُم فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى﴾

ترجمہ! خدا وہ ہے جو تم کو رات کے وقت پورا قبض کر لیتا ہے اور جو تم دن کو کیا کرتے ہو، اُس کو جانتا ہے۔ پھر تم کو دن میں اٹھاتا ہے تاکہ تمہاری میعاد حیات پوری کرے۔

مرزا صاحب جوازالہ کے ص ۶۰۰ پر توفی کے معنی صرف امات یعنی مار دینا اور روح کو قبض کر کے جسم کو بیکار چھوڑ دینا بتاتے تھے، اپنے ان معنی کو ملحوظ رکھ کر ذرا اس آیت کا ترجمہ تو کر دیں مگر یاد رکھیں کہ اگر اس شبانہ روزی موت کا آپ نے اقرار کر لیا تو آپ کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے گا۔

﴿اللَّهُ يَتَوَفَّى الْإِنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي

مَنَامَهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلَ
الْآخِرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ﴿۱۸﴾

ترجمہ! خدا تعالیٰ موت کے وقت جانوں کو پورا قبض کر لیتا ہے اور جو نہیں مرتے ان کی توفیٰ نیند میں ہوتی ہے۔ یعنی نیند میں ان کو پورا قبض کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان میں جس پر موت کا حکم لگا چکتا ہے، اس کو روک لیتا ہے اور دوسری کو (جس کی موت کا حکم نہیں دیا) (نیند میں توفیٰ کے بعد) ایک وقت تک چھوڑ دیتا ہے۔

مرزا صاحب کو لازم بلکہ واجب ہے کہ اس آیت میں توفیٰ کے معنی ضرور ہی امات کے لیں کیونکہ یہاں نفس انسانی مفعول اور خدا فاعل بھی ہے، لیکن اگر ان کو اس جگہ توفیٰ کے معنی امات لینے میں کچھ پس و پیش ہو (جیسا کہ ازالہ ص ۳۳۲ پر اس تذبذب اور اندرونی بے چینی کو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ ”یہ دو موخر الذکر آیتیں اگرچہ بظاہر نیند سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان دونوں آیتوں میں نیند نہیں مراد لی گئی) تو ان کو ازالہ ص ۶۰۱ پر لکھے ہوئے الفاظ سے ذرا شرم فرمائی چاہئے کہ قرآن شریف میں اول سے آخر تک توفیٰ کے معنی امات کا ہی التزام کیا گیا ہے۔ حوالہ کتب لغت اور نقل و محاورات اور ثبوت آیات قرآنیہ کے بعد میں بہتر سمجھتا ہوں کہ ازالہ ص ۶۰۱ کے جواب میں اسی کا صفحہ ۳۳۲ پیش کر دوں جس میں آپ نے توفیٰ کے معنی اس جگہ بظاہر نیند ہونا قبول کر لئے ہیں اور پھر لکھا ہے کہ اس جگہ توفیٰ سے حقیقی موت نہیں بلکہ مجازی موت مراد ہے، جو نیند ہے۔ ہم کو آپ کا اس قدر اقرار بس ہے، کیونکہ خواہ آپ نے لفظ بظاہر کی قید لگائی یا مجازی کی۔ بہر حال آپ کا وہ دعویٰ ص ۹۱۸ کہ قرآن مجید میں لفظ توفیٰ بجز معنی امات کے دوسرے معنی میں مستعمل ہی نہیں ہوا، غلط ثابت ہو گیا۔

لفظ توفیٰ پر اس قدر بحث و تحقیق کے بعد اب میں مرزا صاحب کی وجہ استدلال کی طرف توجہ کرتا ہوں جس سے آپ نے اس آیت کو تیسری دلیل وفات مسیح پر قرار دیا ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں: فلما توفیتنی سے پہلے یہ آیت ہے اذ قال اللہ یا عیسیٰ الخ قال ماضی کا صیغہ ہے۔ اور اذ جو خاص ماضی کے واسطے آتا ہے اُس سے پہلے موجود۔ ثابت ہوا یہ قصہ نزول آیت کے وقت ایک ماضی قصہ تھا نہ زمانہ استقبال کا۔ پھر جو جواب حضرت عیسیٰ کی طرف سے ہے یعنی فلما توفیتنی وہ بھی صیغہ ماضی ہے (ص ۶۰۲) غرض اِس سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ مرچکے اور اس مرنے کا اقرار خود اُن کی زبان کا موجود ہے۔“

ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ہم حضرت عیسیٰ اور رب العالمین کے اس سوال و جواب کو زمانہ مستقبل کا سوال و جواب ثابت کر دیں اور پھر توفیتنی کے جو معنی رفعنی الی السماء عامۃ مفسرین نے لئے ہیں، اُس کا قرینہ اسی آیت میں سے نکال دیں تو کچھ شک نہیں کہ مرزا صاحب کی یہ دلیل بھی اُن کے حق میں بالکل بودی اور ضعیف ثابت ہو جائے گی۔ واضح ہو کہ قال کے ماضی ہونے میں کچھ شبہ نہیں مگر یہ غلط ہے کہ اذ صرف ماضی کے واسطے آتا ہے یا جب ماضی پر آتا ہے تو اُس جگہ زمانہ مستقبل مراد ہونا متنع ہوتا ہے۔ دیکھو ولو تری اذ فزعوا اور اذ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا میں ماضی پر اذ آیا ہے، مگر وہی حال قیامت کے لئے۔ علیٰ ہذا مضارع پر بھی اذ آیا ہے۔ پڑھو یہ آیت وَادِّسْرَفَعُ اِبْرَاهِيمَ الْقَوَاعِدَ اَوْ رَاٰ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ مگر ہاں سنت اللہ یہ ہے کہ زمانہ مستقبل کے جن امور کا ہونا یقینی اور ضروری ہے اُن کو بصیغہ ماضی بیان کیا جایا کرتا ہے۔ جس شخص کو نظم قرآنی کے سمجھنے میں ذرا بھی مناسبت ہوگی، جس نے باندک توجہ بھی قرآن مجید کے ایک پارہ کی تلاوت کی ہوگی، وہ ہمارے بیان کی صداقت سے بخوبی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ قیامت کا ذکر خصوصیت سے ایسا ذکر ہے جس کو جا بجا صیغہ ماضی سے بیان کیا گیا ہے، جس کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح واقعات گزشتہ کا کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اسی طرح احوال قیامت میں کسی کو مجال انکار و مقام شبہ باقی نہ رہ جائے۔ مثلاً حدیث صحیح میں آیا ہے جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتَّبَعَهَا الرَّادِفَةُ پہلا نفخ صور آ گیا۔ اُس کے ساتھ دوسرا بھی ہے۔

قرآن میں ہے اَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ قِيَامَتَ آگئی، گوجاءت اور اتی صیغہ ماضی ہیں مگر زمان مستقبل کی خبر دیتے ہیں۔ اس طرز کلام میں یہ سمجھنا مقصود ہوتا ہے کہ ان امور کا واقع ہونا ذرا بھی غیر یقینی نہیں۔

اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ پرسش و گزارش یہ سوال اور جواب زمانہ ماضی کا ایک قصہ نہیں بلکہ یوم الدین کے وقوعی امر کا اخبار ہے۔ آپ قرآن مجید کی طرف توجہ فرمائیں کہ شروع قصہ مسیح ابن مریم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا

عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾

ترجمہ! ”جس دن خدائے تعالیٰ رسولوں کو اکٹھا کر کے فرمائے گا تم کو تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا، عرض کریں گے ہم کو اس کی خبر نہیں، تو علام الغیوب ہے۔“

الرسول لانے کے بعد ایک اولوالعزم رسول کے ساتھ جو سوال و جواب ہوں گے، ان کی خصوصیت سے تصریح بھی فرمادی اور اس سوال و جواب کے لکھنے سے پہلے مسئول عنہ کی قدر و منزلت دکھلانے کے واسطے اُن نعمتوں عزتوں کا شمار بھی فرمایا جو حضرت عیسیٰ کو عطا کی گئی تھیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس ہولناک دن میں کیسے کیسے ممتاز رسولوں کو اپنی اپنی پڑی ہوگی اور مشرکین کو اُن کے مجبور ذرا بھی فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔

پھر دیکھو کہ اس سوال و جواب کے ختم ہونے اور حضرت عیسیٰ کی بے گناہی کو تسلیم کر لینے کے بعد حضرت عیسیٰ کے الفاظ:

﴿إِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ کا اللہ تعالیٰ نے یہ

جواب دیا ہے:

﴿قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ﴾

”آج تو وہ دن ہے کہ صادقین کو اُن کا صدق نفع پہنچائے۔“ اب اس میں تو شک نہیں کہ ہذا یوم اس سوال و جواب کے دن ہی کو کہا گیا ہے اور اس میں

بھی شک نہیں کہ ینفع الصادقین صدقہم کا ظہور قیامت کے روز ہی ہونا ہے
لہذا مرزا صاحب کو چاہئے کہ اب اذ قال کی کوئی اور توجیہ پیش کریں۔

اب ناظرین آیت ومعنی آیت ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي
كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾

ترجمہ! ”میں ان کی نگہبانی کرتا رہا جب تک ان کے درمیان

موجود رہا۔ پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو ان کا نگہبان اور رکھوالا تھا۔“

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دینے کے وقت انی متوفیک ورافعک الی
فرمایا تھا۔ توفی کے معنی ہیں، کسی چیز کو پورا پورالے لینا۔ یہ ایک جنس ہے، جس کے
تحت بہت انواع ہیں۔ رفع بھی اُسی کی ایک نوع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے بل
رفعه اللہ الیہ کے لفظ سے خبر دی ہے تاکہ تعین ہو جائے اور اس لئے جب
مفسرین نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ خود اس جنس سے تعین ایک نوع کی فرما چکا ہے تو
انہوں نے فلما توفیتنی کے معنی بھی مراد سجانی و تعین ربانی کے موافق کئے، جس کو
مرزا صاحب نے خود نہیں سمجھا اور اس غلط فہمی کی وجہ سے سب مفسرین پر الحاد اور
تحریف کرنے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ حضرت اس میں مفسرین کا کچھ قصور نہیں۔ اگر
تحریف اسی کا نام ہے تو وہ خود اس کلام پاک اور قدیم کے متکلم کی طرف سے وقوع
میں آئی ہے۔ جو فتویٰ لگانا ہو اس پر لگائیے۔ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خارجی دلائل کو
تائید میں لانے سے پہلے خود اس آیت کے اندر دلائل کی تلاش کرنے سے بہت کچھ
ملتا ہے حضرت عیسیٰ نے یوں عرض کیا ہے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ -
”یعنی جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا تب تک ان کا نگہبان تھا“۔ یہ الفاظ
بآواز بلند پکار رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے رہنے یعنی زندگی بسر کرنے کا کوئی ایسا زمانہ
بھی ہے جب کہ وہ اپنی امت میں موجود نہیں رہے اور ان کو منصب رسالت و تبلیغ و وعظ
وانذار سے کوئی علاقہ بھی نہیں رہا اور کچھ شک نہیں کہ وہی زمانہ صعود برسماء کا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے قول مادمست فیہم کے معنی سمجھنے کے لئے حضرت عیسیٰ کے دوسرے قول مادمست حیا پر بھی نظر ڈالنی چاہئے کہ پہلے قول میں آپ نے فرمایا ہے ”جب تک میں ان کے درمیان رہا“ اور دوسرے قول میں ہے ”جب تک میں زندہ رہوں“۔ پہلے میں اُن کے درمیان رہنے کی قید اور دوسرے قول میں ”نماز و زکوٰۃ کے لئے حیات کی قید“ کیا معنی رکھتی ہے۔ اگر فلما توفیتنی میں حضرت عیسیٰ کو اپنی موت کا بیان کرنا تھا تو اس کے لئے نہایت واضح لفظ یہ تھے کہ یوں فرماتے :

كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ حَيًّا فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ
أَنْتَ الرَّقِيبُ

جب کہ ایسا نہیں فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ آپ کی یہ تیسری مستدلہ آیت بھی آپ کے دعویٰ کا کچھ ثبوت نہیں۔ بلکہ روشن ہو گیا کہ حیات مسیح کے لئے ہماری دلیل ہے۔ ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ مرزا صاحب نے اپنی دیگر مستدلہ آیات کی نسبت تو دلالت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی یہ آیت دلالت کرتی ہے، وہ آیت دلالت کرتی ہے۔ مگر اس تیسرے نمبر آیت کی نسبت یہ الفاظ لکھے تھے کہ یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے مرنے پر کھلی کھلی گواہی دے رہی ہے اور جو آیت اُن کے زعم میں کھلی کھلی گواہی دیتی تھی اُسی میں اُن کا ضعف استدلال اس قدر ہے۔

(۴) چوتھی آیت جس کا موت مسیح علیہ السلام پر دلالت کرنا مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے وہ یہ ہے :

﴿إِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾

اس کی وجہ استدلال مرزا صاحب نے اس جگہ کچھ نہیں لکھی، صرف یہ تحریر کیا ہے کہ اس کی تفسیر اسی رسالہ میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

ناظرین واضح ہو کہ اس آیت میں غور طلب تین الفاظ ہیں۔ اول لیؤمنن، دوم بہ سوم قبل موتہ۔ مرزا صاحب نے لیؤمنن کو صیغہ ماضی بنا کر

ترجمہ کیا ہے اور یہ الفاظ لکھے ہیں کہ کوئی اہل کتاب نہیں جو اس بیان پر ایمان نہ رکھتا ہو (ص ۲۷۳ ازالہ)۔ حالانکہ تمام روئے زمین کے علماء علم نحو کا اس قاعدے پر اتفاق ہے کہ جب مضارع پر لام تاکید اور نون ثقیلہ واقع ہوتے ہیں تو فعل مضارع اس جگہ خالص مستقبل کے لئے ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جس کو مرزا صاحب آج تک غلط ثابت نہیں کر سکے اور نہ کر سکیں گے بلکہ جب یہاں آ کر نہایت دست پاچہ ہو گئے تو یہ جواب بنایا ہمارے اوپر اللہ و رسول نے یہ فرض نہیں کیا کہ ہم انسانوں کے خود تراشیدہ قواعد صرف و نحو کو اپنے لئے ایسا رہبر قرار دیں کہ باوجودیکہ ہم پر کافی اور کامل طور پر معنی آیت کھل جائیں اور اس پر اکابر مومنین اہل زبان کی شہادت بھی مل جائے تو پھر بھی ہم اسی قاعدہ صرف و نحو کو ترک نہ کریں۔ اس بدعت لے کے التزام کی ہمیں حاجت ہی کیا ہے؟ (مناظرہ دہلی ص ۶۱)

اس جواب سے جو علمیت و قابلیت اور پھر اس پر زبان دانی اور الہام یا بلی کا افتخار ظاہر ہو رہا ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیسری آیت کی

☆ حاشیہ: ۱: صرف و نحو کو بدعت کہنا یہی مرزا صاحب کی بدعت ہے۔ شاہ اسماعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ ایضاح الحق الصریح میں فرماتے ہیں: ”جمع قرآن و ترتیب سورہ و نماز و تراویح بہتہ مخصوصہ، و اذان اول برائے نماز جمعہ و اعراب قرآن مجید، و مناظرہ اہل بدعت بدلائل نقلیہ، و تصنیف کتب حدیث، و تبیین قواعد نحو، و تنقید رواۃ حدیث و اشتغال باستنباط احکام فقہ بقدر حاجت ہمہ از قبیل ملحق بالمتہ ست کہ در قرون مشہود لہا بالخیر مروج گردیدہ و باں تعامل بلا تکلیف در آں قرون جاری شدہ چنانچہ بر مہرہ فن تاریخ مخفی نیست“ مرزا صاحب دیکھیں کہ قواعد نحو کو کن علوم ہمایوں کے پہلو میں جگہ دی گئی ہے پھر اس کا ملحق بالمتہ ہونا، قرون مشہود لہا بالخیر میں بلا انکار احدے مروج ہونا اور تعامل کے زبردست سلسلہ میں (جس کی اوٹ آپ اکثر لیا کرتے ہیں) آجانا یہ سب امور کس وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں اور آخر فقرہ میں یہ بھی ظاہر فرمادیا ہے کہ ان سے انکار کرنے والا تاریخ اسلامی سے ناواقف محض ہے۔

وجہ استدلال میں جب مرزا صاحب نے حرف اذ اور قال پر نحوی بحث کی تھی اس وقت تو اس بدعت کے التزام کی ان کو حاجت تھی۔ اب کہ اس التزام سے دعویٰ ٹوٹتا ہے اور بے شمار وساوس و دوراز کار خیالات (جن کو بڑی آب و تاب کے ساتھ مجموعہ ادہام میں جلوہ دیا گیا ہے) ہَبَاءَ مَنْفُورًا کی طرح اڑ جاتے ہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ آپ کو اس التزام بدعت کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ مگر اس لئے کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں رہی، لازم نہیں آتا کہ قاعدہ نحوی کی صحت بھی باقی نہیں رہی۔ ناظرین یاد رکھیں کہ لَيُؤْمِنَنَّ خالص مستقبل کے لئے ہے۔

دوسری بحث بہ کی ضمیر پر ہے کہ اس کا مرجع کون ہے۔ مرزا صاحب بہ کا مرجع بیان مذکورہ بالا کو بتاتے ہیں۔ (دیکھو ازالہ ص ۳۷۲)، اور ہم حضرت عیسیٰ کو۔ لیکن بیان مذکورہ کو مرجع قرار دینے سے ہمارا کچھ حرج نہیں یعنی محض بہ کا مرجع بیان مذکورہ قرار دینے سے مرزا صاحب کا مذہب ثابت ہونا ممکن نہیں۔ تیسری بحث قبل موتہ ۲ کی ضمیر پر ہے اور یہ بھی لَيُؤْمِنَنَّ کی طرح ضروری بحث ہے۔ کیونکہ جو کوئی قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع قرار دیا جائے گا۔ اُسی کی حیات بالفعل ثابت ہو جائے گی۔ بعض مفسرین نے قبل موتہ کے مرجع قرار دینے میں مختلف

☆ حاشیہ ۱: ایک دوسری آیت میں ہے ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنَنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرَنَّهُ صرف حاضر و غائب کا فرق ہے۔ مرزا صاحب اس کو ماضی بنا کر ترجمہ کر دکھلائیں۔

☆ حاشیہ ۲: مرزا صاحب نے بہ کی ضمیر کا مرجع بیان مذکورہ اور قبل موتہ کا مرجع کتابی یہی بتایا ہے مگر معلوم نہیں کہ یوم القيامة یكون علیہم شہیدائیں یكون کا فاعل کس کو قرار دیں گے۔ اگر حضرت عیسیٰ ہی کو قرار دیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ضامراً میں اس قدر بعد و انفصال تعقید کلام میں داخل ہے جو فصاحت و بلاغت سے سخت مخالف ہے پھر قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع کتابی کو کہنا اس لئے غلط ہے کہ اس صورت میں قبل موتہ کا جملہ کلام میں ذرا بھی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ لَيُؤْمِنَنَّ میں جو ایمان لانے کی خبر ہے وہ خود حیات کتابی کی مقتضی ہے۔

اقوال لکھے ہیں، مگر اہل السنۃ والجماعت کے جمہور کا مختار مذہب یہ ہے کہ قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ مرزا صاحب نے بھی مسلمانوں کے حال پر رحم فرما کر ازالہ کے ص ۳۷۲ پر قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور گواہیت کا ترجمہ کرتے ہوئے بڑے بڑے لے لے جملہ ہائے معترضہ بیچ میں ڈال کر معنی کچھ کے کچھ کر گئے ہیں مگر ہم اس کو لاکھ غنیمت سمجھتے ہیں کہ قبل موتہ کے مرجع میں وہ ہم سے خلاف نہیں۔ ازالہ کے صفحہ ۳۸۵ پر پھر قند مکرر کے طور پر اس شہادت کو ادا کیا ہے اور تسلیم کر لیا کہ قبل موتہ کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قبل موتہ کی تفسیر یہ ہے کہ قبل ایمانہ بموتہ ہم کو ان معنی سے کچھ سروکار نہیں۔ ضمیر کا مرجع جس کو ہم نے قرار دیا تھا اسی کو مرزا صاحب نے تسلیم بھی کر لیا وللہ الحمد۔ اب اس تسلیم کے بعد مرزا صاحب اور ان کے تمام اعیان وانصار کے لئے محال کلی ہے کہ اس آیت سے وفات عیسیٰ علیہ السلام کی (صراحت تو کیا) دلالت بھی ثابت کر سکیں۔ اب اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ اور نہیں کوئی اہل کتاب سے، مگر البتہ ایمان لاوے گا ساتھ اُس کے پہلے موت اس کی کے۔ (شاہ رفیع الدین)

۲۔ اور جو فرقہ کتاب والوں میں سے ہے، سو اس پر یقین لاویں گے اُس کی موت سے پہلے (شاہ عبدالقادر)

بقیہ ۲: ورنہ ماننا پڑے گا کہ بعد از موت یقین کرنے کا نام بھی شرع میں ایمان رکھا گیا ہے اور یہ بالبداهت باطل ہے۔ واضح ہو کہ شرع میں حالت نزع بھی بعد از موت میں داخل اور زمانہ حیات سے خارج ہے۔ دیکھو جب فرعون نے اپنے غرق ہونے کو یقینی معلوم کر کے امنیت برب بنی اسراہیل کہا تو اس کے جواب میں اس کو یہی کہا گیا الا ان وقد حصص الحق غرض مرزا صاحب کے معنی ہر طرح سے نظم قرآنی کے خلاف ہیں اگرچہ ان کے وہ معنی بھی کسی طرح سے مفید مطلب نہیں ہو سکتے کیونکہ لیو منن صیفہ ماضی نہیں بن سکتا۔

۳۔ نباشد هیچ کس از اہل کتاب الا ایمان آورد بہ عیسیٰ پیش از مردن عیسیٰ (شاہ ولی اللہ)
(ان ہر سہ تراجم میں بہ اور قبل موتہ دونوں کی ضمیروں کا مرجع حضرت
عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یہی مذہب جمہور ہے)

۴۔ اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر البتہ ایمان لاوے گا وہ قرآن کے بیان مذکورہ
بالا پر پہلے حضرت عیسیٰ کی موت کے (مرزا غلام احمد صاحب)
(یہ معنی مرزا صاحب کے مذہب پر ہیں جو بہ کا مرجع بیان کو اور موتہ کا
حضرت عیسیٰ کو کہتے ہیں۔)

اور ان سب صورتوں میں حیات مسیح علیہ السلام ثابت ہوتی ہے۔ وفات کا کیا ذکر ہے
اور اس آیت سے مرزا صاحب کو استدلال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

یاد رکھو کہ جب تک مرزا صاحب لیسٹ منن کو مفید معنی ماضی ثابت نہ کر سکیں
تب تک وہ اس آیت سے استدلال کا نام بھی نہیں لے سکتے اور یہ ثابت کرنا اُس
وقت تک ان پر محال ہے جب تک کہ موجودہ علم نحو کی تمام کتابوں کو ڈبو کر اور تمام
عرب اہل زبان کو دریا بُرد کر کے از سر نو ملک عرب آباد نہ کریں اور اُس میں اپنا نو
ایجاد کردہ صرف و نحو جاری نہ فرمائیں۔

(۵) پانچویں آیت مرزا صاحب نے وفات مسیح کے ثبوت میں تحریر کی ہے:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَاكُلَانِ الطَّعَامَ﴾

آیت مذکورہ کو مرزا صاحب نے موت مسیح پر نص صریح لکھ کر بتایا ہے کہ وجہ
استدلال یہ ہے کہ کانا حال کو چھوڑ کر گزشتہ کی خبر دیا کرتا ہے اس جگہ کانا تثنیہ
ہے۔ دونوں اس ایک ہی حکم میں شامل ہیں۔ یہ نہیں بیان کیا گیا کہ حضرت مریمؑ تو
بوجہ موت طعام کھانے سے روکی گئیں لیکن حضرت ابن مریمؑ کسی اور وجہ سے۔ اس
کے بعد مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ اگر اس آیت کو مَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَا
يَاْكُلُونَ الطَّعَامَ کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یقینی قطعی نتیجہ یہ ہے کہ فی الواقع حضرت

مسیح فوت ہو گئے۔

ناظرین یہ غلط ہے کہ کان ہمیشہ حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیا کرتا ہے اگر یہی صحیح ہے تو كَانَ اللّٰهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ کا ترجمہ مرزا صاحب کر کے دکھائیں۔

اب حقیقت حال سنئے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے دو فرقوں کی تردید و تکذیب دلائل عقلی سے فرمائی ہے اور ان کے کفر کا ثبوت دیا ہے۔

۱- ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾

البتہ وہ کافر ہوئے جن کا یہ قول ہے کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے کیونکہ مسیح نے تو خود کہا ہے لوگو میرے اور اپنے خدا کی عبادت کرو۔

۲- ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾

البتہ وہ بھی کافر ہوئے جو خدا کو تثلیث کا ایک اقنوم کہتے ہیں۔

۳- ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَأَنَّا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾

ترجمہ! اور مسیح و مریم تثلیث کے دوسرے دو اقنوم جیسا کہ رومن

کیتھولک کا اعتقاد ہے بھی خدا نہیں کیونکہ مسیح بن مریم تو رسول ہے۔ اس

سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں صحابیہ و صدیقہ ہے دونوں

طعام کھایا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کو عیسائیوں کی غلطی ثابت کرنا

اور اُن کے کفر پر دلیل قائم کرنا منظور تھا جو مسیح ہی کو خدا قرار دیتے تھے۔ اُن پر یوں

دلیل قائم کی کہ مسیح خود لوگوں کو یوں کہا کرتا تھا کہ میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو۔

اگر وہ خود خدا ہوتا۔..... تو وہ یوں کہا کرتا ”لوگو میں جو تمہارا رب ہوں، میری عبادت کرو“

لیکن جب مسیح نے خدا کی ربوبیت کا اقرار کیا ہے تو اُس تربیت یافتہ کو رب کہنا کفر ہے۔ جو لوگ ایک خدا کو تین خدا اور تین خدا کو ایک خدا کہتے اور خدا، مسیح، مریم کو اقامتِ ثلاثہ قرار دیتے تھے۔ خداوند کریم نے اُن پر دلیل قائم کی کہ جب ہزاروں، لاکھوں شخصوں نے ان دونوں ماں بیٹا کو لوازمِ بشری کے محتاج اپنی طرح پایا اور دیکھا ہے اور بائیں ہمہ پھر ان کو خدا کہنے کی جرأت کی ہے۔ یہ بھی ان کا کفر ہے۔ اب ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس میں موت و حیات کی کیا بحث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے وہ مراد ہی نہیں لی تو مرزا صاحب متکلم کے خلاف ان الفاظ سے معافی نکالنے کے کیا مجاز ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ تفسیر بالرائے کا کیا حکم ہے۔

علاوہ اس کے مرزا صاحب کو خود اقرار ہے کہ حضرت مریم کے طعام نہ کھانے کی وجہ موت اور ابنِ مریم کے طعام نہ کھانے کی کوئی دوسری وجہ بیان نہیں کی گئی، صرف کانا کہا گیا ہے تو اس صورت میں مرزا صاحب کا کیا حق ہے کہ جس امر کی وجہ اس آیت میں بیان نہیں ہوئی اُس کو آپ خود بیان کریں بلکہ اُس پر جزم بھی کر دیں۔ کیا ممکن نہیں کہ دو شخصوں کا ایک مشترک فعل سے جدا ہونا مختلف اسباب سے ہو۔ مثلاً زید اور عمر پارسال دونوں لاہور رہتے تھے۔ زید نے تعلیم چھوڑ دی اور عمر ولایت چلا گیا اس مثال میں دیکھو۔ لاہور میں رہائش دونوں کا مشترک فعل ہے مگر اُس سے جدا ہونے کے مختلف اسباب ہیں۔

مرزا صاحب اگر ایسے ایسے دلائل ہی آپ کے مذہب کی مدد ہیں تو اس کے مقابلہ میں کوئی شخص یہ آیت پیش کر سکتا ہے ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾

اور کہہ سکتا ہے کہ نہ کبھی جمیع من فی الارض ہلاک ہوئے اور نہ مسیح

☆ حاشیہ ۱: ترجمہ یہ ہے: کہہ دے کون سی چیز خدا کی روک بن سکتی ہے۔ اگر وہ یہ چاہے کہ مسیح اور اس کی ماں کو نیز تمام مخلوق کو جو کل صفحہ زمین پر ہے، ہلاک کر دے۔ اگر ہلاک کر دے بتا رہا ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ نے ہلاک نہیں کیا۔

اور نہ ان کی مادرِ صدیقہ ہی کو ہلاکت نے اپنا اثر پہنچایا جس طرح آج جمیع من فی الارض زندہ ہیں مسیح اور اس کی ماں بھی زندہ ہے۔ اگر آپ اس کو صحیح نہیں مان سکتے تو وہ آپ کا استدلال بالاولیٰ غیر صحیح اور سراپا غلط ہے۔

اس آیت کو آپ نے نصِ صریح کہہ کر پھر استدلال کے وقت اس کے ساتھ دوسری آیت کو ملانے اور پھر یقینی نتیجہ پر پہنچنے کی نسبت جو لکھا ہے، اُس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک بھی یہ آیت نصِ صریح لہذا تہا نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ دوسری آیت جس کو ملا کر آپ نے اس دلیل کو کامل بنایا ہے اُس کی بحث ذیل میں آتی ہے۔

(۶) وفاتِ مسیح پر یہ چھٹی آیت مرزا صاحب نے لکھی ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا هُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ﴾ اور تحریر کیا ہے کہ درحقیقت یہی اکیلی آیت کافی طور پر مسیح کی موت پر دلالت کرتی ہے (ص ۶۰۵) مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی جسم خاکی بغیر طعام کے نہیں رہ سکتا تو پھر حضرت مسیح کیوں کراہ تک بغیر طعام کے زندہ موجود ہیں۔ ناظرین اس آیت کا صرف یہ مطلب ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جسے طعام (غذا) کی حاجت نہ ہو۔ مگر آیت میں یہ کہاں ہے کہ کوئی جسم ایسا نہیں جو فلاں مدت تک بغیر طعام کے زندہ نہ رہ سکے اور جب یہ نہیں تو مرزا صاحب کے لئے یہ دلیل بھی نہیں۔ مرزا صاحب کا خیال ہے کہ جو

☆ حاشیہ ۱: اس فقرہ کے الفاظ درحقیقت، یہی اکیلی، کافی طور پر ناظرین کی توجہ کے لائق ہیں جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس اکیلی کے سوا مرزا صاحب کی دیگر مستدلہ آیات درحقیقت مسیح کی موت پر دلالت نہیں کرتیں اور اگر ان کو حقیقت کے خلاف اس مسئلہ کی دلیل بنایا بھی جائے تو وہ کافی طور پر دلیل نہیں کہلا سکتیں۔ ناظرین یہ کیسا صاف اقرار ہے کہ مرزا صاحب کے دل میں باقی ۲۹ آیتیں ان کے مذہب کی تائید پر نہیں قضی الرجل علی نفسه یاد رکھو کہ یہی حصر کے لئے آتا ہے، اکیلی نے اس کو اور بھی پرزور کر دیا۔

شخص اُن کی طرح ہر روز دو وقت کھانا نہ کھاتا ہو، وہ مردہ ہے۔ اگر یہی صحیح ہے تو فرنج قوم کے نزدیک جودن میں آٹھ دفعہ کھاتے ہیں کل ہندوستان مردہ ہے۔ اور جو جینی، بودھ پچاس پچاس روز کا برت رکھتے ہیں وہ مردہ درگور ہیں۔ ناظرین آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ کسی جسم کا ایک خاص مدت معین تک اکل و شرب سے جدا رہنا نہ تو اُس جسم کے مُردہ ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور نہ اُس جسم کے لوازم جسمانی سے بے نیاز ہونے کی حجت بن سکتا ہے۔ پھر مرزا صاحب کے لئے یہ آیت کیا دلیل ہے۔ مرزا صاحب نے اسی موقع پر حفظ ما تقدم پر کار بند ہو کر لکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اصحاب کہف بھی تو بغیر طعام کے زندہ ہیں تو میں کہتا ہوں اُن کی زندگی بھی اس جہان کی زندگی نہیں۔ مسلم کی سو برس والی حدیث اُن کو بھی مار چکی (ازالہ ص ۶۰)

اُن کو واضح رہے کہ اگر مسلم کی حدیث اُن کو مار چکی ہے تب بھی ہماری دلیل قائم ہے۔ قرآن مجید اس امر کا گواہ ہے کہ وَ لَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَ اِذَا ذُكِرُوا بِهَا اَصْحَابُ كَهْفٍ ۳۰۹ برس تک اسی معمورہ دنیا کے ایک پہاڑ میں اکل و شرب کے بغیر زندہ رہے اور ۳۰۹ برس بعد ان کو طعام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اُن میں سے ایک اُس وقت طعام لینے کو پہاڑ سے نکلا۔ مرزا صاحب غور کریں کہ جس طرح پر تحقیقات حکماء کو جن کا یہ قول ہے کہ زیادہ سے زیادہ ابن آدم ۷۰ دن تک بلا طعام زندہ رہ سکتا ہے، ۳۰۹ برس نے غلط ثابت کر دیا۔ اسی طرح مسیح کا وہ ہزار برس تک بغیر طعام کے رہ سکنا اور پھر اکل و شرب کی ضرورت کا محسوس کرنا ثابت ہو گیا۔ اگر آپ کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آتی تو پہلے تھوڑی سی غلط فہمی کا اقرار کیجئے اور دوسری دلیل کو سماعت فرمائیے، شاید آپ یہ جانتے ہیں کہ طعام کا لفظ زبان شرع میں صرف نباتاتی اور زمین کی روئیدگی یا حیوانی غذا کے لئے آتا ہے اور یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ آپ یاد رکھیں کہ زبان شرع میں اُن انوار و برکات کو بھی طعام کہا گیا ہے جو خواص بشر کی جسمانی اور روحانی تربیت ایسی ہی کرتے ہیں جیسے دیگر ماکولات اور روئیدگی زمینی عوام کی تربیت جسمانی کے کام آتی

ہیں۔ روزہ طئی کی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ایکم مثلی انی ایبت یطعمنی ربی ویسقینی (متفق علیہ) میں تمہاری طرح نہیں (کہ ماکولات میری حیات کا ذریعہ ہوں) میں رات کاٹتا ہوں اور میرا خدا مجھ کو طعام کھلا دیتا ہے اور سیراب کر دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ طعام کا لفظ موجود ہے اور اس طعام کے مربی بدن ہونے کا بھی اظہار ہے مگر دنیا کے ماکولات سے اُس کی نوعیت بھی جدا گانہ ہے کیونکہ اگر طعام ربانی بھی دنیوی ماکولات میں سے ہو تو اس کے کھانے سے تو روزہ باقی نہیں رہتا۔ آنحضرت ﷺ روزہ طئی بھی رکھا کرتے اور یہ ربانی اکل و شرب بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہوا کہ اگر ہر جسم طعام کا محتاج ہے تو یہ ضرور نہیں کہ سب کے لئے طعام بھی یکساں ہو۔ جس طرح ایک گڈریئے اور بادشاہ کے طعام میں اس دنیوی عالم میں بہت بڑا تفاوت ہوتا ہے اسی طرح ضرور ہے کہ سفلی اور کثیف زندگی والوں کا طعام نوعیت میں اور ہوا اور علوی و لطیف زندگی والوں کا طعام اور۔ مسیح علیہ السلام نے کہا ہے: لکھا ہے انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے جیتا ہے (متی ولوقا ۴ باب درس ۴) حضرت مسیح علیہ السلام نے ”لکھا ہے“ کے لفظ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ صحف انبیاء گذشتہ میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح پر مرقوم ہے کہ خاصانِ خدا کے بدن میں کلام ربانی وہی تاثیر پیدا کر دیتا ہے جو عوام کے جسموں میں طعام۔ اسی کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جس کو ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل اور طیلیسی نے روایت کیا ہے ف_____ کیف بالمؤمنین یومئذ قال یجزیہم ما یجزی اهل السماء من التسبیح والتقدیس (راوی نے دریافت کیا یا رسول اللہ ہم اب ہی بھوک برداشت نہیں کر سکتے اُس روز جب کہ طعام الدجال کے ہاتھ میں ہوگا) مؤمنین کا کیا حال ہوگا۔ فرمایا: جس طرح آسمان پر رہنے والوں کا طعام اور مایہ حیات اللہ تعالیٰ کا ذکر، تسبیح و تقدیس ہے۔ اسی طرح مؤمنین بھی سبحان الملك القدوس کا ذکر کریں گے اور یہی ذکر اُن کا طعام اور مایہ حیات بن جائے گا“ غور سے دیکھو کہ مسیح علیہ السلام جب

اپنے ارشاد میں انسان کا بلا طعام کے کلام ربانی کی برکت سے زندہ رہنا تجویز کرتے ہیں تو کیا خود اُن کو یہ منصب حاصل نہیں ہو سکتا پھر دیکھو کہ رسول کریم ﷺ خبر دیتے ہیں کہ اہل السماء تو عموماً ذکر تسبیح و تقدیس سے زندہ رہتے ہی ہیں مگر اہل ارض میں بھی خدائے تعالیٰ اُس ابتلا کے دنوں میں یہ علوی تاثیر قائم فرما دے گا۔ اب مرزا صاحب کو واضح ہو کہ ہمارے اعتقاد میں حضرت مسیحؑ آسمان پر ہیں اور اس لئے تا نزول وہ بھی اہل السماء میں سے ہیں لہذا اُن کا طعام دنیوی طعام نہیں ہو سکتا گو وہ طعام کھاتے بھی ہوں۔ لہذا آپ کی مسئلہ آیت آپ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی ہے۔

(۷) ساتویں آیت مرزا صاحب نے وفات مسیح علیہ السلام پر یہ پیش کی ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

أَفَأَنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب نے بدیں الفاظ کیا ہے۔ ”محمد ﷺ صرف ایک نبی ہیں۔ اُن سے پہلے بہت نبی فوت ہو گئے ہیں۔ اب کیا اگر وہ بھی فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا جس کی وجہ سے تم دین سے پھر جاؤ۔“

ناظرین قابل غور یہ ہے کہ ترجمہ میں یہ الفاظ ”اُن سے پہلے سب نبی فوت ہو گئے ہیں“ قرآن مجید کے کن الفاظ کا ترجمہ ہیں۔ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر مرزا صاحب براہ نوازش کسی لغت کی کتاب میں یہ تو دکھائیں کہ خلت یا خلا بمعنی موت زبان عرب میں آیا بھی ہے؟ آپ اس جگہ صرف اپنے دعویٰ کی تائید میں ایسے مصروف ہوئے ہیں کہ خواہ لغت اور محاورہ آپ کے ترجمہ کی غلطی کو صاف ظاہر کر رہا ہو مگر آپ کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔ اچھا صاحب اگر خلت کے معنی فوت ہو جانا ہی ہیں تو آپ اس آیت سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔ کیا یہی کہ وہ سنت الہی ہے جو تم سے پہلے فوت ہو چکی ہے۔ اگر آپ ایسا ترجمہ کریں گے تو آیت ہذا

کے ساتھ ملے ہوئے الفاظ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا آپ کے اس ترجمہ کی سخت تکذیب کریں گے۔

پس جب آیت متدلہ میں مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے تو استدلال کی صحت کہاں رہی۔ مرزا صاحب کے ترجمہ میں اتنے الفاظ سینہ زائیں۔ ”تو ان کی نبوت میں کوئی نقص لازم آئے گا“ حالانکہ ان الفاظ کی ضرورت نہ تھی اور نہ کسی الفاظ قرآنی کا ترجمہ ہیں۔

ناظرین کو یہ بھی واضح ہو کہ آیت کا نزول جنگ احد میں ہوا تھا۔ رسول کریم ﷺ اس جنگ میں زخمی ہو کر کش مکش کے اندر ایک غار میں گر پڑے تھے۔ شیطان نے پکار دیا کہ محمد (ﷺ) مارے گئے۔ یہ سنتے ہی مسلمانوں کا تمام لشکر (ہجر خواص اصحاب کے) بھاگ نکلا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھاتا ہے کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ احکام شریعت کی تعمیل صرف اُس وقت تک کی جاتی ہے جب تک نبی اپنی امت میں بہ نفس نفیس موجود رہے؟ یہ تمہارا خیال غلط ہے۔ ذرا خیال کرو کہ کس قدر نبی اور رسول ہو چکے ہیں۔ کیا وہ سب اپنی امت میں موجود ہیں یا اُن کے متبعین نے اپنا دین محض اسی وجہ سے ترک کر دیا ہے؟ اور جب کسی نے بھی ایسا نہیں کیا تو کیا تم ایسا کرو گے۔ پہلے حکمت سے سمجھایا پھر تنبیہ کے لئے زجر آمیز کلمات فرمائے۔ خیال کرو اس میں وفاتِ مسیح کی کون سی دلیل ہے۔

واضح ہو کہ خلت کا مصدر خلو ہے اور چند معنی میں مستعمل ہے۔ (۱) جدا ہونا یا تنہا ہونا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے وَإِذَا خَلَا بِعَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ جب ایک دوسرے کے پاس سے تنہا ہوتے ہیں۔ (۲) ہوتے رہنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا ہوا ہے اور اس آیت میں ہے وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے کئی دستور ہوتے رہے ہیں۔ (۳) چلے آنا۔ چنانچہ اس آیت میں ہے سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ یہ سنت الہی ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔ پس قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

الرُّسُلُ کا صحیح ترجمہ یہ ہے ”ہوتے رہے ہیں ان سے پہلے رسول“

یہ یاد رکھو کہ خلا اور خلت لغت میں زمانہ کی صفت کے لئے آتا ہے (دیکھو قرون خالیہ۔ مثلاً عرب بولتے ہیں۔ خلت یا خلون من شہر رمضان (رمضان کی فلاں تاریخ گزرے) اور اہل زمانہ کے لئے مجازاً اور اس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ خلت کا سیدھا اثر رسالت پر ہے نہ رسولوں کے وجود پر۔ لہذا آیت قد خلت من قبلہ الرسل کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے پہلے بھی بہت رسول رسالت کر چکے ہیں۔ تبلیغ احکام رسالت کر چکنا متضمن اس امر کا نہیں کہ سب کے سب مر بھی چکے ہیں، گو ان میں سے اکثر مر بھی چکے ہوں۔ مثلاً (بلا تشبیہ) کوئی اخبار ہندوستان کے نو وارد و اسرائے و گورنر جنرل لارڈ اسٹین کو مخاطب کر کے کہے کہ آپ سے پہلے بھی بہت لارڈ و اسرائی کر چکے ہیں تو کیا اس سے لازم آتا ہے کہ لارڈ ناتھ بروک، رپن، ڈفرن، لینڈن جو اب تک زندہ صحیح سالم ولایت میں موجود ہیں، یہ سب مر بھی گئے، گو ان میں سے لارڈ لٹن مر بھی گیا ہو اور لارڈ میو قتل بھی ہو چکا ہو۔

ناظرین بلاغت قرآنی سمجھنے کے لئے یہ غور کرنا چاہئے کہ خلت کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے۔ مقتضائے مقام اور بظاہر تناسب کلام تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا قد ماتوا او قتلوا من قبلہ الرسل افان مات او قتل (محمد ﷺ) سے پہلے جتنے رسول تھے یا وہ مر گئے یا قتل ہو گئے پھر اگر آپ بھی قتل ہو جائیں یا مر جائیں) مگر ایسا نہیں فرمایا۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ وجہ یہ ہے کہ مفرورین پر حجت بھی قائم ہو جائے اور آنحضرت سے پہلے رسولوں اور نبیوں کے زمان رسالت کے منقضى ہونے کی خبر بھی دی جائے اور حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کی حیات پر دلیل بھی قائم رہے۔ ایہا الناس تفکروا۔

اس تمام بیان سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے لشکر مسلمین پر جو دلیل قائم کی ہے وہ صحیح و درست ہے۔ مگر جو مطلب مرزا صاحب ان الفاظ میں

ڈھونڈتے ہیں اُسے پاش پاش کرنے کے لیے عرب کا لغت اور قرآن کریم کا اسلوب شمشیر بکف کھڑے ہیں۔ تعالیٰ اللہ عن ذلك۔

(۸) مرزا صاحب نے آٹھویں آیت یہ پیش کی ہے وَمَسَاجِدُنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدِ أَفَأَن مَّتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ اور بہت صحیح لکھا ہے کہ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمام لوگ ایک ہی سنت اللہ کے نیچے داخل ہیں، نہ کوئی موت سے بچا ہے اور نہ آئندہ بچے گا۔

مگر ناظرین غور کریں کہ اس کو وفاتِ مسیح سے کیا علاقہ ہے۔ اب رہی اس آیت سے مرزا صاحب کی یہ وجہ استدلال کہ خلود کے مفہوم میں داخل ہے، ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہنا اور نفی خلود سے ثابت ہے کہ ہر شخص کی حرکت موت کی طرف ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیح ابن مریم بوجہ امتدادِ زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کے فوت ہو گیا۔ یہ بالکل مرزا صاحب کے مذہب کے خلاف ہے۔ امتدادِ زمانہ اور شیخ فانی ہو جانے کا نام وہ شخص لے سکتا ہے جس کا مذہب یہ ہو کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر تو گئے تھے مگر شیخ فانی ہو کر اور امتدادِ زمانہ سے ضعفِ ہرم وغیرہ میں آ کر پھر فوت ہو گئے۔ جب آپ کا مذہب ہی یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر نہیں گئے تو یہ آپ کے سینہ زاشاعرانہ الفاظ بھی آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔ بسم اللہ آپ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر جانا تسلیم فرمائیے اور پھر یہ وجہ استدلال پیش کیجئے۔ واذ لیس فلیس۔ اب میں مرزا صاحب سے یہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی حد بطور کلیہ قاعدہ کے آپ کو معلوم ہے کہ جب کوئی بنی آدم اُس حد کو پہنچ جائے تو وہ شیخ فانی بھی ضرور ہی ہو جائے اگر معلوم ہو تو براہِ مہربانی بیان فرمائیں تاکہ درایت و روایت اُس کی جانچ پڑتال کر لی جائے۔ ناظرین خوب یاد رکھیں کہ اس کا جواب مرزا صاحب کچھ نہیں دے سکتے اور اسی لئے نہ وہ اس آیت سے استدلال ہی کر سکتے ہیں اور نہ اُن کی وجہ استدلال درست ہی ہو سکتی ہے۔

(۹) نویں آیت وفاتِ مسیح پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے تِلْكَ

أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الْخِ اس آیت کا صرف ترجمہ ہی کر گئے ہیں اور وجہ استدلال وغیرہ کچھ تحریر نہیں کی۔ ہاں ترجمہ میں یہ الفاظ ضرور لکھ دیے ہیں ”یعنی اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں یہ ایک گروہ تھا جو فوت ہو گیا۔“

ناظرین آپ بخوبی اور بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کے یہ الفاظ ”اس وقت سے پہلے جتنے پیغمبر ہوئے ہیں“ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ غالباً تِلْكَ کا ترجمہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یہ جو اسم اشارہ ہے۔ اب اگر تم اس کا مشار الیہ معلوم کرنا چاہتے ہو تو قرآن شریف کھول کر دیکھ لیجئے کہ کون سے کون سے نام اس سے پہلے آیت میں آچکے ہیں (اس سے پہلی آیت کی تخصیص ہم نے اس لئے کر دی ہے کہ تِلْكَ اشارہ قریب کے لئے ہے) ناظرین دیکھیں کہ اس سے پہلی آیت یہ ہے:

﴿أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمْ
اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ - ﴿۱۰﴾

ترجمہ! تم کیا کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصاریٰ تھے کہہ دیجئے تم زیادہ جانتے ہو یا خدا۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو شہادت کو چھپاتا ہے جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں۔ یہ ایک امت تھی جو گزر چکی ”خلت“ کے لفظ پر بحث میں ساتویں آیت میں کر آیا ہوں۔ اعجاز قرآن ہے کہ آیت میں عیسیٰ کا نام نہیں۔

(۱۰) دسویں آیت وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا پیش کی ہے اور پھر لکھا ہے اس کی تفصیل ہم اسی رسالہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی لئے حضرت عیسیٰ کو وصیت کی گئی تھی۔ وہ آسمان پر عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں اور حضرت یحییٰ ان کی نماز کی حالت میں اُن کے پاس یوں ہی پڑے رہتے ہیں۔ ”مردے جو ہوئے“ اور جب

دنیا میں حضرت عیسیٰ آئیں گے تو برخلاف اُس وصیت کے اُمّتی بن کر مسلمانوں کی طرح نماز پڑھیں گے (ازالہ ۷-۶)

مرزا صاحب کا یہ بیان سقم اور غلطیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس آیت سے وفاتِ مسیح پر مرزا صاحب کی وجہ استدلال ازالہ میں یہ ہے کہ حضرت مسیح نے تاحیات خود صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا ادا کرنا فرائض میں شمار کیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہیں تو ان کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔ ورنہ وہ مردہ ہیں۔ اس تقریر میں متانت مثیلت اور وقارِ مہدویت کو بالائے طاق رکھ کر مرزا صاحب نے شوخانہ استہزاء بھی کیا ہے اور دریافت کیا ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ زکوٰۃ کہاں سے دیتے ہوں گے اور کون لیتا ہوگا۔

(۱) واضح ہو کہ کل نبیوں پر جیسا کہ زکوٰۃ کا لینا حرام ہے ویسا ہی دینا بھی حرام ہے۔..... کیونکہ اُن کا کل مال خدا کی راہ میں وقف ہوتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اوصانی کیوں کہا یہ بطور تعلیم ارکانِ شریعت کے ہے۔ کیونکہ جب فرمایا ﴿آتَنِی الْکِتَابَ وَجَعَلَنِی نَبِیًّا﴾ خدا نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا تو ساتھ ہی اپنی شریعت کے ارکان بھی ظاہر کر دیے (۲) زکوٰۃ سے مراد اس جگہ زکوٰۃ مال نہ ہو بلکہ زکوٰۃ نفس ہو۔ قرینہ اس پر روح القدس کا حضرت مریم کو کہنا ہے لَآهَبَ لَکِ غُلَامًا زَکِیًّا ظاہر ہے کہ اس جگہ زکیا کے معنی زکوٰۃ مال نکالنے والا نہیں بلکہ صاحبِ زکوٰۃ و طہارت ہیں۔

بیضاوی میں ہے واوصانی وامرئی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ
زکوٰۃ المال ان ملکته او تطهیر النفس عن الرزائل زکوٰۃ سے زکوٰۃ مال مراد ہے کہ جب صاحبِ نصاب ہوں ورنہ نفس کو رزائل سے پاک صاف رکھنا بھی زکوٰۃ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کے حق میں فرمایا ہے وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا
وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً۔ ہم نے اس کو لڑکپن ہی میں حکم، نرم دلی اور پاکیزگی عنایت کی۔ یہاں لفظ زکوٰۃ خصوصیت سے بمعنی پاکیزگی ہے۔

(۳) زکوٰۃ تو اہل نصاب پر فرض ہے اگر مرزا صاحب حضرت مسیح کا اس دنیا میں زکوٰۃ دینا ثابت کر دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر زکوٰۃ دینا بھی ثابت کر دوں گا۔

مرزا صاحب کی اس بیان میں دوسری غلطی یہ ہے کہ ان کو انجیلی طریق پر نماز پڑھنے کی وصیت کی گئی تھی۔ ”وہ عیسائیوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں۔“ اس غلطی کا منشاء یہ ہے کہ ان کو معنی نبوت معلوم نہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کی قرآن دانی اور اسرار فہمی کی توصیف مرزا صاحب نے ازالہ میں کی ہے، کا مذہب یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ ظاہر اور باطن پر یکساں ہوتا ہے مگر آپ تو نبوت کو بھی ظاہر اور باطن کے لئے نہیں سمجھتے۔ ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ تو جس طرح پر تمام کافہ ناس کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی طرح جن و ملک کی طرف بھی۔ کوئی ذوی العقول متنفس ایسا نہیں خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی جس پر آپ کے احکام اور شرائع و مناجات کی پیروی و اطاعت فرض نہ ہو اور آپ کی رسالت کے بعد سابقہ شرائع و احکام پر چلنا حرام نہ ہو گیا ہو۔ پس جب حالت یہ ہے تو آپ کا یہ خیال کرنا کہ اب وہ انجیلی طریق پر نماز پڑھتے ہیں اور نزول کے بعد برخلاف وصیت مسلمانوں کی طرح پڑھیں گے۔ معنی رسالت کے نہ سمجھنے ہی پر محمول ہو سکتا ہے۔ مرزا صاحب دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ﴾

”جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا کہ جو کچھ میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔“

اب سمجھ لو کہ مسلمانوں کی طرح حضرت عیسیٰ کا نماز پڑھنا برخلاف وصیت

نہیں بلکہ موافق میثاق ازلی ہے۔ اس معنی کی طرف صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ہریرہ میں اشارہ و دلالت ہے کہ آنحضرتؐ نے موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم علیہ السلام کا امام بن کر نماز پڑھائی۔

تیسری غلطی اس بیان میں مرزا صاحب کی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے ہوں گے اور حضرت یحییٰؑ پاس پڑے رہتے ہوں گے۔ ”مردہ جو ہوئے۔“ یہ غلطی بھی درجہ انبیاء سے عدم معرفت کی وجہ سے ناشی ہوئی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ گو مرجانے کے بعد تکلیف احکام سے انسان سبکدوش ہو جاتا ہے مگر انبیاء اللہ جن کے جسم میں عبادت الہی بمنزلہ روح کے ہے جن کے دل میں محبت ربانی بجائے حرارت عریزی کے ہے۔ وہ مرجانے کے بعد بھی طاعات میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث عن ابن عباس میں ہے: جب رسول اللہ ﷺ مکہ اور مدینہ کے درمیان وادی ارزق میں پہنچے تو فرمایا: میں نے اس وادی میں موسیٰ علیہ السلام کو کانوں میں انگلیاں دیے، لہیک لہیک پکارتے، گذرتے دیکھا ہے۔ جب ہر شہ میں پہنچے تو فرمایا میں نے یونس علیہ السلام کو جُذہ صوف (لباس احرام) پہنے، اونٹنی پر سوار اس وادی سے گذرتے دیکھا ہے۔ صحیح مسلم عن ابی ہریرہ کی حدیث میں حضرت ابراہیم و موسیٰ کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت یحییٰؑ پڑے ہی نہیں رہتے بلکہ وہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی طرح نماز پڑھا کرتے ہیں۔

ناظرین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ آیت بھی مرزا صاحب کے دعویٰ کے لیے کچھ مفید نہیں اور آیت کو وفات مسیح سے ذرا تعلق نہیں۔ نیز دعویٰ اثبات وفات مسیح کے علاوہ دیگر زوائد جو مرزا صاحب نے لکھے تھے، ان کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔

(۱۱) گیارہویں آیت یہ ہے:

﴿وَسَلَامٌ عَلَى يَوْمٍ وَلِدَتْ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾

مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ اس آیت میں واقعات عظیمہ جو حضرت مسیح کے

وجود کے متعلق تھے، صرف تین بیان کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر رفع اور نزول واقعات صحیحہ میں سے ہیں تو ان کا بیان بھی ضروری تھا۔ کیا نعوذ باللہ رفع اور نزول حضرت مسیح کا مورد اور محل سلام الہی کا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“

میں مرزا صاحب کے ان فقرات کو بار بار حیرت اور تعجب سے دیکھتا ہوں کہ وہ اسرار دانی اور قرآن فہمی کہاں ہے۔ کیا کسی شے کا کسی جگہ مذکور نہ ہونا اس کے عدم وجود کی بھی دلیل ہو سکتی ہے۔ صحیحین بلکہ صحاح ستہ میں بیسیوں ایسی احادیث ملیں گی کہ سائل نے آکر رسول کریم ﷺ سے اسلام کا سوال کیا اور آنحضرت ﷺ نے بیان ارکان میں کبھی کلمہ شہادت، کبھی زکوٰۃ کبھی حج کو بیان نہیں فرمایا تو کیا مرزا صاحب مجرّد ان احادیث پر اکتفا کر کے ان ارکان اسلام کے رکن ہونے سے انکار کر جائیں گے؟ اگر نہیں تو یہاں بھی وہی عمل کریں۔ دوم مرزا صاحب کو یاد کرنا چاہیے کہ حضرت مسیح کا یہ کلام اس وقت کا تھا جب مریم صدیقہ ان کو جن کرگود میں لے کر قوم میں آئی تو کیا ضرور ہے کہ حضرت مسیح اسی وقت اپنی زندگی کے مفصلانہ کل واقعات عظیمہ سے واقف بھی کیے گئے ہوں۔ بلکہ قرآن کریم اس امر کا شاہد صادق ہے کہ رفع کی خبر حضرت کو حالت نبوت میں دی گئی تھی۔ پڑھو:

﴿يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾

اور یاد کرو کہ مرزا جی نے بھی اس کو وعدہ وفات تسلیم کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ﴿سَلَامٌ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ﴾

اُسی قبیل کا جملہ ہے۔ جیسے الحمد للہ اولہ و آخرہ یا بسم اللہ اولہ و آخرہ جو ابتداء سے لے کر آخر تک کی تمام حالتوں پر شامل ہے۔

اب اگر ان فقرات پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا تو سَلَامٌ عَلَيَّ پر کیوں ہے۔ ہمارے نزدیک رفع اور نزول حضرت مسیح دونوں مورد اور محل سلام الہی کے ہیں۔ اور اسی لیے دو سلامتیوں کے اندر اور وسط میں واقع ہوئے ہیں۔ ہاں مرزا صاحب جو ان الفاظ کا درمیانی واقعات پر اثر انداز نہ ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کو

اس امر کا ضرور جواب دینا چاہیے کہ جب بقول ان کے مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھوس کی گئیں اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے بعد دروازہ مرگ پر پہنچ کر پھر وہ بچ رہے تو کیا ان کی یہ جان بری مورد اور محل سلام الہی کا نہ تھی۔ کیا مسیح کا صحیح وسلامت رہنا ربانی سلامتی کے بغیر تھا۔ اگر ایسے دشمنوں کے نزعہ میں سے ایسے بر صلیب کشیدہ کے سلامت رہنے کو تم سلام الہی تسلیم نہیں کرتے تو اور کسے کرو گے لیکن اگر تسلیم کرتے ہو تو بتاؤ کہ آیت میں ایسی نہایت ہی حیرت بخش جان بری اور ایسی آفت کے بعد سلامتی کا ذکر کیوں نہیں؟ میں چاہتا تھا کہ آیت کے بعض اسرار اور معارف کو یہاں درج کرتا۔ مگر مرزا صاحب کے استدلال کا بودا ہونا اسی سے ثابت ہو گیا ہے۔ ناظرین کو معلوم رہے کہ مرزا صاحب اپنے اس بیان میں مدعی وفات مسیح ہیں۔ مدعی کا کام الزامی دلائل بیان کرنا نہیں ہوتا اور جو ایسا کرتا ہے سمجھا جاتا ہے کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اس آیت کے ضمن میں مرزا صاحب کی ساری تقریر الزامی ہے۔

(۱۲) بارھویں آیت:

﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يَتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا﴾

مرزا صاحب فرماتے ہیں یہ آیت بھی مسیح ابن مریم کی موت پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اگر زیادہ عمر پائے تو دن بدن ارزل عمر کی طرف حرکت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بچے کی طرح نادان محض ہو جاتا ہے۔ اور پھر مر جاتا ہے۔“

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ آیت مرزا صاحب کی تب دلیل ہے، جب وہ مسیح علیہ السلام کا زیادہ عمر پانا تسلیم کر لیں۔ مگر اس کے ساتھ رَفَعَ إِلَى السَّمَاءِ بھی ملا ہوا ہے۔ یہ بھی مرزا صاحب کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

۲۔ مرزا صاحب کو لازم ہے کہ وہ ایک حد قرار دیں کہ جب عمر کے فلاں سال

تک کوئی انسان پہنچے گا تو وہ ضرور ہی ارزل عمر میں داخل ہو جائے گا۔ قرآن کریم تو اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک دعوت کی۔ نبوت حاصل ہونے سے پہلے کی عمر اور دعوت کے بعد طوفان آنے اور بعد از طوفان آپ کے زندہ رہنے کی عمر ان ساڑھے نو صدیوں کے علاوہ ہے۔ پھر رب کریم کا یہ کلام پاک ہم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ سینکڑوں سالوں کے وہ تغیرات و انقلابات (جن سے قومیں مفقود ہو جاتی ہیں، خرابہ آباد اور آباد خرابہ بن جاتے ہیں سلطنتیں بدل جاتی ہیں، بولیاں تبدیل ہو جاتی ہیں) بعض جسموں پر اسی طبقہ ارض کی موجودگی کی حالت میں اتنا اثر بھی نہیں ڈال سکتے کہ وہ اتنا بھی معلوم کر لیں کہ اس طبقہ ارض پر اور اس حصہ ملک میں کبھی کوئی تغیر آیا بھی تھا؟ اور کسی قسم کا انقلاب ہوا بھی تھا یا نہیں؟ وہ سینکڑوں برسوں کا ممتد زمانہ اور دراز عرصہ ان کی نگاہ میں ایسا قلیل نظر آیا کرتا ہے کہ یہ خاصانِ خدا سے ﴿يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ کیا مرزا صاحب کے نزدیک یہ بیانات ہدایت اور نور نہیں ہیں؟ کیا انسان ضعیف البیان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ محکم کی راہ سے یہ قرار دے کہ جو کچھ آج کل ہو رہا ہے، رب کریم نے نہ کبھی اس سے تجاوز فرمایا ہے اور نہ فرمائے گا۔ کیا اُن کو لقمان ذوالشور کا حال معلوم نہیں جس کی عمر دو ہزار سال کی تھی۔ کیا ان کو عمر و معدیکرب کی تاریخ پر نظر ہے۔ جو دو سو پچاس سال کی عمر میں ایرانیوں کے بیسیوں جنگ آزما، عربہ جو فیلوں کو تلوار سے کاٹ کاٹ کر پھر شہید ہوا تھا؟ کیا مرزا صاحب کا حق ہے کہ وہ ارزل عمر کی بھی حد سنین کا تعین کر کے اپنی طرف سے خود ہی مقرر کر دیں۔

إِتَّقُوا اللَّهَ أَيُّهَا النَّاسُ۔

(۱۳) تیرہویں آیت:

﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾

لکھ کر پھر مرزا صاحب نے تحریر کیا ہے۔ یعنی تم اپنے جسم خاکی کے ساتھ

☆ حاشیہ: ۱: ان فقرات میں قصہ اصحاب کہف کی طرف تلمیح ہے۔ ۱۲

زمین پر ہی رہو گے۔ یہاں تک کہ اپنے تمتع کے دن پورے کر کے مرجاؤ گے۔“ اس کے بعد تحریر کیا ہے۔ یہ آیت جسم خاکی کو آسمان پر جانے سے روکتی ہے۔ کیونکہ لکم جو اس جگہ فائدہ تخصیص کا دیتا ہے اس بات پر بصراحت دلالت کر رہا ہے کہ جسم خاکی آسمان پر جانیں سکتا۔ بلکہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں رہے گا اور زمین ہی میں داخل ہوگا۔“ (ازالہ ص: ۶۰۹)

ناظرین دیکھیں۔ ترجمہ میں جسم خاکی اور ”مرجاؤ گے“۔ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ مرزا صاحب لکم کو مفید تخصیص جانتے ہیں اور قرآن مجید کا سیاق کلام شاہد ہے کہ آیت کے مخاطب ابلیس و آدم و حوا ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَإِزْهِقْهُمْ الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرِجْهُمْ مِمَّا كَانُوا فِيهِ
وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ﴾

”پس شیطان نے آدم و حوا دونوں کو پھسلا دیا۔ اور بہشت سے جہاں وہ رہتے تھے، ان دونوں کو نکال دیا اور ہم نے کہا تم اترو بعض تمہارے بعض کے دشمن ہیں اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا اور فائدہ ہے“ اَزْلَهُمَا میں تثنیہ ہے اور ذکر شیطان کے بعد ضمائر جمع مرزا صاحب لَكُمْ کو جو ضمیر خطاب اور اعراف المعارف ہے، جب مفید تخصیص تسلیم کر چکے تو پھر ان کا مخاطبین نے سوا اوروں سے مراد لینا ان کی تسلیم کے خلاف ہے۔ بالفرض اگر آیت کے یہ معنی ہیں کہ مخاطبین زمین سے اٹھ کر آسمان پر نہ جاسکیں تو یہ کہاں سے مرزا جی نے نکال لیا کہ جو لوگ خطاب کے وقت ہنوز کسم عدم میں مستور تھے وہ بھی اسی حکم میں شامل و داخل ہیں۔ اس کی دلیل انہوں نے کچھ نہیں دی بلکہ لَكُمْ کو مفید تخصیص مان کر اپنے دعویٰ کو ضعف پہنچایا۔

۲۔ اگر بلا کسی دلیل کے مان لیا جائے کہ لَكُمْ میں ابلیس اور آدم کے سوا ان کی ذریات بھی شامل ہیں۔ تب بھی آیت بالا مفید معنی و مقصور مرزا صاحب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب ثابت ہو چکا کہ لَكُمْ میں ابلیس و آدم و حوا کی طرف خطاب ہے تو قرآن

مجید کے بیسیوں مقامات سے یہ ثابت اور واضح ہے کہ شیاطین آسمان کی طرف چڑھ جاتے ہیں اور ملائکہ سے قریب ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ شہاب ثاقب ان کے پیچھے لگ کر ان کو خاک کر دیتا ہے۔ بقول مرزا صاحب آیت کا اثر مخاطبین پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ یہ سب زمین سے اونچے اٹھ نہ سکیں۔ فضا میں جانہ سکیں۔ مگر شیاطین کا چڑھ جانا دیگر آیات سے معلوم ہو گیا۔ اور آیت مستدلہ ان کے لیے مانع نہ ہوئی اب مرزا صاحب فرمائیں کہ یہ آیت انبیاء خدا کے لیے آسمان پر جانے سے کیوں مانع ہے۔

۳۔ مستقر کا ترجمہ ٹھیک ٹھیک ہیڈ کوارٹر ہے۔ جس کو صدر مقام بھی بولتے ہیں۔ عربی زبان کی تاریخوں میں اسی لیے تخت گاہ کو مستقر الخلافہ لکھا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کا اپنے ہیڈ کوارٹر میں موجود ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ دوسری جگہ جا نہیں سکتا۔ علیٰ ہذا اس کا ہیڈ کوارٹر سے علیحدہ ہونا بھی اس امر کا ثبوت نہیں کہ اس کو اپنے صدر مقام سے اب کوئی مناسبت نہیں رہی۔ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ بھی بشر تھے۔ جو شب معراج کو بالائے سدرۃ المنتہی تشریف لے گئے تھے۔ اگر آنحضرت کے لیے یہ آیت مانع نہ ہوئی تو حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے بھی نہیں ہو سکتی۔ معراج جسمانی کا ثبوت اس مضمون میں آگے آئے گا۔

۴۔ مرزا صاحب نے الیٰ حسین کا ترجمہ ”یہاں تک کہ مر جاؤ گے۔“ کیا ہے مگر وہ کسی لغت کی کتاب سے حین کے معنی موت ثابت نہ کر سکیں گے۔ حین۔ کے معنی وقت کے ہیں۔ اور اسی لیے الیٰ حسین کا ترجمہ ایک وقت تک ہیں۔ ہر شخص کے لیے استقرار فی الارض کا ایک معین عرصہ رب کریم نے مقرر کر رکھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک وقت تک زمین پر رہے اور جب ﴿مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ﴾ کا وعدہ پورا ہونے کو آیا تو وہ آسمان پر تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ الیٰ حسین کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک وقت زمین پر ہے تو دوسرے وقت زمین پر سے اٹھ کر چلا بھی جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی جسم کا بھی بوجہ جسم ہونے کے آسمان پر جانا محال نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ رب کریم اس جسم کو آسمان پر لے جانا چاہے یا نہ

چاہے۔ حضرت عیسیٰ کے لیے آسمان لے جانے کا اظہار اس نے خود فرمایا اور خود ہی اپنے منشا کو پورا فرمایا۔

بالفرض مرزا صاحب نے زور لگا کر **حِیْن** بمعنی موت ثابت بھی کر دیا۔ تب اور بھی زیادہ ان کے معنی قابل اعتراض ہو جائیں گے۔ یعنی اس وقت ترجمہ آیت یہ ہوگا اور تمہارے لیے زمین میں استقرار اور فائدہ لے موت تک ہے۔ جس سے یہ نکلا کہ موت کے بعد اموات کی لاشیں زمین سے اٹھائی جاتی ہیں۔ قبروں میں نہیں دبائی جاتیں۔ بلکہ وہ فضا میں چلی جاتی ہیں۔ اس معنی کا غلط ہونا ظاہر ہے۔ اس وقت آپ کو **حِیْن** کا ترجمہ مجبوراً وقت کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ شاہ رفیع الدین و شاہ عبد القادرؒ نے کیا ہے۔ غرض بہر صورت آپ کے استدلال کا بُودا اور کمزور اور غلط ہونا ظاہر ہو گیا اور کھل گیا کہ گو آپ نے آیت کا ترجمہ بھی غلط کیا اور اپنی طرف سے الفاظ بھی زیادہ کیے مگر ایں ہمہ مساعی پھر بھی مرزا صاحب حصول مرام میں ناکامیاب ہی رہے۔

(۱۴) چودھویں آیت ﴿وَمَنْ نَعْمَرُهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ﴾ مرزا

صاحب لکھتے ہیں۔ اگر مسیح ابن مریم کی نسبت فرض کیا جائے کہ اب تک جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک مدت دراز سے ان کی انسانیت کے قوی میں بکلی فرق آ گیا ہوگا اور یہ حالت خود موت کو چاہتی ہے۔ (ازالہ ص ۶۱۰)

مرزا صاحب کے اس وجہ استدلال کا جواب میں آٹھویں اور بارہویں آیت کے تحت میں لکھ آیا ہوں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ میں بار بار یہی عرض کرتا ہوں کہ مرزا صاحب بطور کلیہ قاعدہ کے عمر کے وہ مقدار قرار دیں جس کو ازل عمر کہہ سکیں اور جس پر تنکیس فی الخلق صحیح ثابت ہو سکے۔ ہم تو ریت وغیرہ کتابوں میں لکھا

☆ حاشیہ: ۱: اگر یہ جواب ہو کہ موت کے بعد جسم گوزمین میں ہی رہتے ہیں۔ مگر ان کو زمین سے کچھ فائدہ نہیں ملتا تو اس کے رد میں آیت ثُمَّ أَقْبَرَهُ اور آیت أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا پر نظر کرد۔

دیکھتے ہیں کہ حضرت آدم کی ۹۳۰ برس۔ حضرت شیث کی ۹۱۲۔ حضرت نوح ۱۰۰۰۔ حضرت ادریس ۳۶۵۔ حضرت موسیٰ ۱۲۰، حضرت ابراہیم ۱۷۵ سال کی عمریں تھیں اور باایں ہمہ ان کے انسانیت کے قوی میں کچھ فرق نہ آیا تھا۔ اصحاب کہف کا قصہ پڑھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض انسانی جسموں کو صدیوں کے زمانہ کا اثر محض اتنا ہوتا ہے جتنا ہم لوگوں پر ۶ گھنٹے یا ۱۲ گھنٹے یا ۲۴ گھنٹے یا ۴۸ گھنٹے گذر جانے سے۔ اگر ناظرین اور مرزا صاحب کے نزدیک ایک ۳۳ سال کا جوان شخص ایسا پیر ہرم اور شیخ فانی ہو سکتا ہے کہ اس کی قوت جسمانی اور قوی بشری بالکل ہی اسے جواب دے جائیں تو حضرت مسیح کی نسبت بھی مرزا صاحب کو ایسا خیال باندھ لینے کا حق ہے لیکن اگر یہ ایک قابل تمسخر بات سمجھی جائے کہ کوئی نو جوان شخص معمولی قاعدہ انحطاط بدنی کے لحاظ سے ۴۸ گھنٹے میں شیخ فانی ہو سکے تو یقیناً حضرت عیسیٰ کا پیر ضعیف ہو جانا بھی غلط ہے۔

حکیم نور الدین صاحب جو فصل الخطاب میں مان چکے ہیں کہ الہامی زبان میں ایک یوم ایک سال کو کہتے ہیں وہ اس بیان سے زیادہ تر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ وحی ربانی میں ۳۰۹ برس کو ایک یوم یا ایک یوم کا حصہ کہا گیا ہے ان کو اربعہ لگالینا چاہیے کہ جب الہامی زبان میں ۳۰۹ برس برابر ہیں ایک دن کے تو دو ہزار برس کتنے دن کے برابر ہوتے ہیں یہ سوال حل کرنے سے پہلے یہ بھی غور فرمالینا چاہیے کہ ۳۰۹ برس کا بعض یوم کے برابر ہونا تو اسی طبقہ ارض پر ثابت ہے۔ مملکت آسمانی کا حساب اس سے نرالا ہے۔ رب کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے ﴿إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ﴾ ”جس کو تم ہزار سال شمار کرتے ہو۔ وہ پروردگار کے ہاں ایک یوم ہے“ اب مرزا صاحب حساب لگائیں کہ..... عیسوی سال کتنے دن کے برابر ہوئے۔ پھر ان کو پیر ہرم اور ضعیف القوی ہو جانے کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ واضح ہو اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ کو مرزا صاحب نے از الہ ص ۴۹۶ پر درج کیا ہے اور اس حساب سے روز ششم کو الف ششم کا قاع مقام بتا کر اپنی پیدائش اس

میں ثابت کی ہے۔ اس لیے اب مرزا صاحب اس حساب سے انکار نہیں کر سکتے۔
(۱۵) پندرہویں آیت ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾

ترجمہ! خدا وہ ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ پھر ضعف کے بعد قوت دے دی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور پیرا نہ سالی دی۔“

ترجمہ کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں: ”یہ آیت بھی صریح طور پر اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ کوئی انسان اس قانون قدرت سے باہر نہیں۔“ یہ سچ ہے مگر آیت میں مسیح کے مرچنے کی دلیل اور مرزا صاحب کے بیان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وفات کر جانے کی وجہ استدلال ذرا بھی موجود نہیں۔ اچھا اگر کوئی شخص مشہور کر دے کہ مرزا صاحب کا انتقال ہو گیا اور جب کوئی اس سے پوچھے کہ تم کو کیوں کر معلوم ہوا تو وہ یہی آیت پڑھ دے تو آپ اس کی وجہ استدلال کو کیا کہیں گے۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اس وقت مسیح علیہ السلام ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً﴾ کے مصداق حال ہیں۔ نزول بر زمین کے بعد ﴿ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً﴾ کی حالت اُن پر طاری ہوگی۔

(۱۶) سولہویں آیت وفات مسیح پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ﴾

اور لکھا ہے کہ کھیتی کی طرح انسان پیدا ہوتا ہے۔ اول کمال کی طرف رخ کرتا ہے پھر اس کا زوال ہوتا ہے۔ کیا اس قانون قدرت سے مسیح باہر رکھا گیا ہے؟ کاش مرزا صاحب اس مثال سے ہی فائدہ اٹھاتے اور سمجھتے کہ سب روئیدگی کی قسمیں زمین سے اگنے، کمال تک پہنچنے اور بڑھنے اور پھر زوال کی

جانب مائل ہو کر خشک ہونے میں درجہ مساوی نہیں رکھتیں۔ چنانچہ ان ہر سہ مراتب کو دو ماہ میں طے کر لیتا ہے اور نیشکر کو کمال تک پہنچنے کے لیے امانہ کا عرصہ درکار ہے۔ سن اور ہالوں کا بیج چند پہر میں زمین سے اُگ آتا ہے اور گنوارے اور کھنڈی کا بیج سال بھر تک زمین میں جوں کا توں پڑا رہتا ہے۔ افسوس کہ آپ حارث و حراث ہونے کے دعویدار ہو کر بھی ان مثالوں سے بہت کم مستفید ہوتے ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ مسیح اس قانون قدرت سے باہر نہیں مگر اس قانون میں مساوات شخصی نکال کر آپ دکھا دیجیے۔

(۱۷) سترہویں آیت ہے: ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ﴾ وجہ استدلال میں مرزا صاحب کے پاس وہی پرانے لفظ ہیں۔ ”یعنی اول رفتہ رفتہ خدا تعالیٰ تم کو کمال تک پہنچاتا ہے اور پھر تم اپنا کمال پورا کرنے کے بعد زوال کی طرف میل کرتے ہو۔ یہاں تک کہ مرجاتے ہو۔ یہی قانون قدرت ہے۔ جس سے کوئی باہر نہیں (ازالہ ص ۶۱۱)

ناظرین زبان عرب میں حرف ”ثم“ تراخی اور ترتیب کے لیے آتا ہے اور اسی لیے ہم نہایت صدق دل سے گواہی دیتے ہیں والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فینا ابن مریم حکماً عدلاً ثم انه بعد ذلك لیموت مرزا صاحب قانون قدرت کے موٹے موٹے حروف تو پڑھ لیتے ہیں۔ مگر کیا اچھا ہو کہ اس کی تشریحات بھی ملاحظہ کر لیا کریں۔

(۱۸) اٹھارہویں آیت:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي

الْأَرْضِ الْحَیُّ تَا ﴿أُولَى الْأَلْبَابِ﴾ (الجز و ۲۳)

اس آیت کے تحت میں مرزا صاحب نے صرف یہ الفاظ لکھے ہیں ان آیات میں بھی مثال کے طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ انسان کھیتی کی طرح رفتہ رفتہ اپنی عمر کو پورا کر لیتا ہے اور پھر مرجاتا ہے۔“

مرزا جی موت مسیح پر اس آیت سے استدلال کی وجہ کچھ نہیں لکھ سکے۔ کھیتی

کی مثال سچ ہے۔ مگر اس مثال میں مرزا صاحب کی غلط فہمی کا اظہار سولہویں آیت کے تحت میں ہم کر چکے ہیں۔

(۱۹) انیسویں آیت یہ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنْهَمَ

لِيَأْكُلُوا الطَّعَامَ وَيَمْشُوا فِي الْأَسْوَاقِ﴾ (سورہ فرقان)

اس آیت کا ترجمہ مرزا صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے۔ ”ہم نے تجھ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے ہیں وہ سب کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرتے تھے۔“ پھر لکھا ہے۔ ”اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اب وہ تمام نبی نہ کھانا کھاتے ہیں اور نہ بازاروں میں پھرتے ہیں۔ دنیوی حیات کے لوازم سے طعام کا کھانا ہے چونکہ اب تمام نبی طعام نہیں کھاتے۔ ثابت ہوا کہ وہ سب فوت ہو چکے ہیں۔ جن میں بوجہ کلمہ حصر مسیح بھی شامل ہے۔

ناظرین اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اُن منکرین نبوت کے جواب میں نازل فرمائی ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے اور رسالت کو بنظر حقارت دیکھتے اور یوں کہا کرتے تھے:

﴿مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ﴾

”یہ رسول کیسا ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا بھی ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان کی اس بیہودہ گفتگو کے جواب میں بطور تشفی و تسکین قلب فرمایا ہے کہ بازاروں میں پھرنا اور طعام کھانا اگر رسالت کے منافی ہے تو سارے کے سارے پیغمبر ایسے ہی گزرے ہیں۔ جن میں یہ صفات لوگوں نے دیکھے اور معلوم کیے اور باایں ہمہ یہ معترض ان میں سے بعض کی نبوت کا یقین بھی رکھتے ہیں۔ مثلاً نصاریٰ اور یہود اور عرب کے اکثر قبیلے۔ اب آپ خیال فرمائیں کہ اس میں کونسی دلیل وفات مسیح کی ہے۔

حضرت مسیح کے طعام کھانے یا نہ کھانے کی بحث ساتویں آیت کے تحت

میں ہو چکی۔ مرزا صاحب آپ نے ان تین آیتوں کو دلیل وفات مسیح بنانے میں حصر اور تعمیم سے بہت ہی کام لیا ہے اور یہ دل میں ٹھان لی ہے کہ اگر ایک تعمیم کی دوسری نص تخصیص کر دیتی ہو تو اس تخصیص کا ہرگز اعتبار نہیں کریں گے مگر یہ کاغذ کی ناؤ چلتی نظر نہیں آتی۔

﴿أَوَلَمْ يَرِ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ﴾
 ”کیا انسان نے نہیں دیکھا اور غور کیا کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا
 اور وہ جھٹ کھلم کھلا خصومت رکھنے والا بن گیا“

آیت میں الانسـان کل انسانوں پر شامل ہے جس سے کوئی باہر نہیں حالانکہ اسی آیت میں دو جگہ آپ کو تخصیص ماننی پڑے گی۔ اول من نطفہ میں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام انسان تھے۔ مگر نطفہ سے پیدا نہ ہوئے تھے۔ دوم خصیم مبین میں کیونکہ ہم یقیناً اور ایماناً جانتے ہیں کہ انبیاء اور صدیقین نہایت فرمانبردار بندے ہوتے ہیں اور کبھی اپنے پروردگار سے خصومت نہیں کرتے۔

۲۔ مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ طعام کھانا اور بازاروں میں پھرنا یہ مرسلین کا لازم حال تھا یا مجملہ صفات بشری کے ایک صفت۔ اگر لازمہ حال تھا تو لازم آتا ہے کہ ہر ایک نبی اور مرسل نے وقت پیدائش سے لے کر زندگی کی آخری ساعت تک غرض اپنی تمام تر عمر کا کوئی لمحہ کوئی منٹ کوئی سکند ایسا گزرنے نہ دیا ہو کہ وہ بازار میں پھرتے ہوئے اور کچھ نہ کچھ کھاتے ہوئے نظر نہ آئے ہوں۔ غرض کہ ان کا منہ اور ان کے پاؤں ہر وقت چلتے ہی رہتے تھے۔ کیوں کہ مرزا صاحب آپ کے مذہب میں یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ اگر یہی معنی ہیں۔ تو اس کا بطلان نہایت صریح ہے لیکن اگر باوجود آیت کے الفاظ بالا کے یہ معنی آپ نہیں کرتے اور جائز رکھتے ہیں کہ ان کے کھانے اور بازاروں میں پھرنے کے خاص اوقات ہوں اور دیگر اوقات میں اکل طعام اور مشی فی السوق ان میں پایا بھی نہ جاتا ہو تب آیت بالا آپ کے کیا مفید ہے اگر کسی معتکف و صائم کو دیکھ کر کوئی شخص یہ حکم لگا سکتا ہے کہ طعام

کھانے اور بازاروں میں پھرنے کی صفت اس سے جاتی رہی تو اس کے دانشمند ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ کیا مرزا صاحب ان نمونوں سے بھی مستفید نہیں ہوتے۔

(۲۰) بیسویں آیت یہ ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾

ترجمہ! ”جو بھی سوائے اللہ کے پرستش کیے جاتے اور پکارے جاتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے بلکہ آپ پیدا شدہ ہیں۔ مرچکے ہیں زندہ بھی تو نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“

اس کے بعد مرزا صاحب لکھتے ہیں یہ آیتیں کس قدر صراحت سے مسیح اور ان سب انسانوں کی وفات پر دلالت کر رہی ہیں جن کو یہود اور نصاریٰ اور بعض فرقے عرب کے اپنا معبود ٹھہراتے تھے۔ اگر اب بھی آپ لوگ مسیح ابن مریم کی وفات کے قائل نہیں ہوتے تو سیدھے یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ہمیں قرآن ماننے میں کلام ہے (ازالہ ص ۶۱۴)

ناظرین مرزا صاحب نے اپنی عبارت میں انسانوں کی قید اپنی طرف سے لگا دی ہے۔ آیت تعیم ہے اور اس لیے ایسے تین صفات بیان ہوئے ہیں جن سے کوئی مخلوق جن ملک۔ انسان و حیوان وغیرہ اس تعیم سے باہر نہیں رہ سکتے۔ (۱) مَنْ دُونِ اللَّهِ اس میں کل مخلوق شامل ہے (۲) کسی شے کا خالق نہ ہونا یہ بھی سب پر محیط ہے۔ (۳) مخلوق ہونا یہ بھی بجز خدا کے سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ پس ان صفتوں والا اگر کسی قوم و قبیلہ کا معبود سمجھایا مانا گیا ہے تو وہ مردہ ہے۔“

جب ہم نصاریٰ کے مذہب پر نظر ڈالتے ہیں جو خدا کو ثالثِ ثلاثہ جانتے ہیں اور اس کے ساتھ دو اور اقوام قائم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سوا

ایک تو مسیح کو معبود جانتے ہیں۔ دوسرے روح القدس کو۔ ان دونوں کی پرستش بھی کرتے ہیں اور ان دونوں کو پکارتے بھی۔

مرزا صاحب اس آیت پر تمسک کر کے حضرت مسیح کی وفات ثابت کرتے ہیں میں ان سے دریافت کر لینا چاہتا ہوں کہ وہ روح القدس کو بھی مردہ جانتے ہیں۔ یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ کیا وہ من دون اللہ نہیں۔ یا وہ کسی شے کا خالق بھی ہے۔ یا وہ خود مخلوق نہیں۔ یا نصاریٰ اس کو اسی طرح نہیں پکارتے۔ جس طرح مسیح کو پکارتے ہیں اگر یہ سب صفات اس میں موجود ہیں تو پھر..... روح القدس کو آیت کی تعمیر سے جدا رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ اگر مرزا جی کے پاس روح القدس کو اس عمومیت سے جدا رکھنے اور جدا بادور کرنے کی کوئی وجہ ہے تو یقین رکھیے کہ ہمارے پاس بھی ہے اور اگر وہ روح القدس کو بھی مردہ سمجھتے ہیں تو بسم اللہ اس کا اقرار فرمائیں۔ تاکہ ان کے بیسیوں دلائل پر پانی پھر جائے اور میں پھر معنی آیت گزارش کروں۔

ناظرین ایک لطیف قصہ یاد رکھنے کے قابل ہے جب قرآن مجید میں ﴿أَنْتُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ خَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ نازل ہوا تو مشرکین نے اس تعمیر کو دیکھ کر خوب تالیاں لگائیں اور خوش ہو کر کہا کہ اگر ہم اور ہمارے بت جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ہم کو کچھ غم نہیں۔ کیونکہ اسی قاعدہ ”وما تعبدون“ کے بموجب نصاریٰ کے ساتھ مسیح کو بھی جہنم میں ڈالا جائے گا اور ہم اس پر خوش ہیں کہ جب مسیح جہنم میں جائے تو ہم اور ہمارے بت بھی وہیں ڈالے جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا۔

﴿وَمَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾

یعنی حضرت عیسیٰ کی نظیر جو ان کفار نے پیش کی ہے۔ یہ ان کا مجادلہ ہے یہ لوگ محض خصومت سے ایسی باتیں کرتے ہیں

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾

”حضرت عیسیٰ تو خدا کے ایسے بندے ہیں جن پر خدا نے نعمت کی ہے۔“

پس آیت کریمہ کی اس تعلیم میں وہ منعم علیہ جس کی تخصیص و استثناء دیگر آیات سے ہو چکی ہے کیوں کر شامل ہو سکتا ہے۔

مرزا صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ ایسی تعلیمات سے تمسک و استدلال کرنا اور دیگر آیات پر نظر نہ ڈالنا وہ شیوہ اور وہ مسلک ہے جس پر مشرکین مکہ گامزن ہو چکے ہیں اور جن کی تکذیب قرآن مجید فرما چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کا استدلال نہ شرعی ہے نہ عالمانہ بلکہ آیت مذکورہ ایسے استدلال کا نام مجادلہ رکھتی اور مستدل کو قوم خصمون میں شامل کرتی ہے۔ ﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ﴾

۲۔ ﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ﴾ پر بھی غور فرمائیے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ یہ من دون اللہ جن کو پکارا جاتا ہے یہ ﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ﴾ حالاً یا مآلاً ہیں۔ یعنی کیا آیت کے یہ معنی مرزا جی کرتے ہیں کہ جب چند شخصوں نے کسی من دون اللہ کو پکارنا شروع کیا تو وہ فوراً مر بھی جاتا ہے اور اس کی حیات بھی منقطع ہو جاتی ہے اگر وہ یہی معنی کرتے ہیں تب کچھ شک نہیں کہ یہ معنی خلاف واقع ہیں اور کلام ربانی کی شان عظیم اس سے برتر و اعلیٰ ہے۔ ہم نے خود سینکڑوں ایسے شخص دیکھے ہیں اور مرزا صاحب نے، ناظرین رسالہ نے بھی دیکھے ہوں گے کہ ان کے بیوقوف معتقد اور مرید ان کو خدا سے حاضر ناظر کی طرح ہر وقت ہر جگہ موجود جانتے ہیں اور اٹھتے بیٹھتے جاگتے سوتے یا پیر یا پیر ہی پکارا کرتے ہیں۔ ان کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ خدا روٹھ جائے تو پیر ملا دیتا ہے اور پیر روٹھ جائے تو خدا نہیں ملا سکتا۔ اس لیے وہ ہمیشہ پیر کا درجہ رسول اور خدا سے برتر و افضل جانا کرتے ہیں اور با ایں ہمہ طغیانی کفر و شرک یہ من دون اللہ مغبود اپنی تمتع اور کامرانی کے دن بڑی عیش و شادمانی سے پورے کیا کرتے ہیں۔ یہ واقعات جن کا ظہور ہر شخص ہر روز دیکھ سکتا ہے، بتلا رہے ہیں کہ مرزا صاحب کے معنی غلط اور خلاف واقع ہیں۔

اب رہا ان کا مآلاً اموات اور غیر احیاء ہونا۔ یعنی بالآخر ان مشرکین کے معبودوں کو ایک روز مرنا ہے یہ بیشک صحیح ہے مگر اب آیت میں مسیح علیہ السلام کی

وفات بالفعل پر ذرا بھی اشارت باقی نہ رہے اور مرزا صاحب کا ہم پر کچھ اعتراض نہ رہ گیا۔ کیوں کہ حضرت مسیح کی وفات بزمانہ آئندہ کو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور کل نفس فان کا اثر نفاذ مسیح پر بھی تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ جوابات بالامرزا صاحب کی تفہیم کے لیے عرض کیے گئے ہیں ورنہ مفسرین نے آیت کو بحق اصنام یعنی بتوں کے لیے لکھا ہے اور اموات غیر احیاء کے یہ معنی کیے ہیں کہ ان بنائے ہوئے معبودوں کو تو کبھی بھی حیات حاصل نہیں ہوئی ان میں کبھی بھی لوازم زندگی پائی نہیں گئی اور اس لیے عدم محض ہیں اس معنی پر کوئی اعتراض مرزا صاحب کا وارد نہیں ہوتا اور وفات مسیح کی دلیل کا تو اس میں وارد ہونا ذرا بھی تعلق نہیں رکھتا۔

(۲۱) اکیسویں آیت وفات مسیح علیہ السلام پر مرزا صاحب نے یہ پیش کی ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ﴾

اور وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ محمد رسول اللہ خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آسکتا۔ حضرت عیسیٰ بھی رسول ہیں وہ بھی نہیں آسکتے جب نہیں آسکتے تو ان کی حیات کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ ثابت ہوا کہ لامحالہ وہ فوت ہو گئے۔

ناظرین یہاں مرزا صاحب سے سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور منشاء غلطی یہ ہے کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان رفیعہ کے سمجھنے میں قصور ہوا ہے۔ قرآن مجید میں یہ آیت صریح اور نص قطعی موجود ہے:

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ

كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ

لَتَأْمُنُنَّ بِهِ وَتَنْصُرُنَّهُ﴾

ترجمہ! ”جب خدا نے نبیوں سے اقرار لیا جو کچھ میں نے تم کو

کتاب اور حکمت دی ہے پھر جب تمہاری طرف رسول موعود آئے جو

تمہاری سچائی ظاہر کرے گا تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔“

اور اس کا مفہوم و منطوق یہ ہے کہ جس قدر انبیاء و رسل حضرت آدم سے حضرت عیسیٰ تک گزرے ہیں۔ یہ سب وعدہ کر چکے ہیں کہ ہم محمد رسول اللہ کی امت کے شمار میں اپنے آپ کو داخل و شامل سمجھیں گے اور امتیوں کی طرح آپ کا کلمہ پڑھیں گے۔ اسی آیت کی عملی تفسیر اس حدیث معراج میں ہے۔ جو صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے امام بن کر نماز پڑھائی اور موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام وغیرہ نے آپ کے پیچھے مقتدی بن کر پڑھی۔ پس جب انبیاء گذشتہ کا شمار پہلے ہی سے حضرت کی امت میں حضرت کی رسالت کے بعد ہوتا ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس میثاق ازلی کے ایفاء کے طور پر دنیا میں آنا اور خلیفہ مسلمین بننا رسول کریم ﷺ کے اعلیٰ درجہ رسالت کا مظہر ہے نہ کہ آنحضرت ﷺ کے درجہ خاتمیت کے منافی۔ یہ امر کہ مسیح علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی امت میں شمار ہوتے ہیں۔ مرزا صاحب نے انیسویں آیت کے تحت میں ازالہ کے ص ۶۲۳ پر ان الفاظ میں مان لیا ہے۔ “یہ ظاہر ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم اس امت کے شمار میں ہی آگئے ہیں۔“ یہ اقرار کرنے کے بعد مرزا صاحب سے نہایت مستبعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح بن مریم کے آنے کا انکار اس آیت کے تمسک سے کریں اور تعجب پر تعجب یہ ہے کہ انبیاء گذشتہ میں سے اگر کوئی نبی اس میثاق ازلی کے موافق جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی، ہمارے سید محمد مصطفیٰ ﷺ کی نصرت و خدمت کے لیے دنیا میں تشریف لائے تو مرزا صاحب اس آیت کو اس کے لیے مانع خیال کرتے ہیں۔ مگر خود اپنے لیے ایک پہلو نکال کر یوں تحریر کرتے ہیں خاتم النبیین ہونا ہمارے نبی ﷺ کا کسی دوسرے نبی کے آنے سے مانع ہے۔ ہاں ایسا نبی جو مشکوٰۃ نبوت محمدیہ سے نور حاصل کرتا ہے اور نبوت تامہ نہیں رکھتا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں محدث بھی کہتے ہیں وہ اس تحریر سے باہر ہے کیوں کہ وہ باعث اتباع اور فنا فی

الرسول ہونے کے جناب ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہے جیسے کل میں جزو داخل ہوتی ہے۔“ (ازالہ ص ۵۷۵) دیکھو کیسے صاف لفظوں میں لکھ گئے کہ میں نبی ہوں اور یہ آیت میرے لیے مانع نہیں۔ کیونکہ فنا فی الرسول ہو کر میں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا جزو بن گیا ہوں۔

اچھا مرزا صاحب اگر بباعث اتباع اور فنا فی الرسول ہونے کے کوئی نبی ختم المرسلین کے وجود میں ہی داخل ہو جاتا ہے اور اس کی نبوت جدا گانہ شمار نہیں ہوتی۔ تب بھی حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا آنا اور نزول فرمانا ثابت ہو گیا کیوں کہ صحیح مسلم کی حدیث معراج عن ابی ہریرہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ مسیح علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اتباع کیا ہے اور فنا فی الرسول ہونے کی شہادت حضرت عیسیٰ کے اس وعظ سے ملتی ہے جس میں انہوں نے اپنی امت کو وجود باوجود محمدی کی بشارت سنا سنا کر فرمایا تھا۔ آگے کو تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیوں کہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں (یو جنا ۱۵ باب ۳۰ آیت) دنیا کا سردار اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔“ خیال کرو کیسے الفاظ ہیں اور کس سچے دل اور صادق زبان سے نکلے ہیں اگر فنا فی الرسول کا درجہ اس قول کے قائل کو بھی حاصل نہیں جس کا اپنے قول میں صادق ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے تو اور کس شخص کو ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد مرزا جی اس حدیث پر نظر فرمائیں۔ جس میں آنحضرتؐ نے انبیاء کو علامتی بھائی فرما کر آخر میں فرمایا ہے وَأَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ يَهَا آپ ذرا غور سے دیکھیں کہ آپ کی اصطلاح کے موافق عیسیٰ بن مریم تو محمد رسول اللہ میں اور محمد رسول اللہ حضرت مسیح علیہ السلام میں کس طرح داخل ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ آپ کی مسئلہ آیت آپ کے مفید نہیں ہو سکتی۔ بچند وجوہ:

- ۱۔ قرآن مجید شہادت دیتا ہے کہ جملہ انبیاء آنحضرت کی امت میں ہیں۔ لہذا اس میں سے کسی ایک کا آنا اور خلیفہ بننا بعینہ صدیق اور فاروق جیسا خلیفہ بننا ہے۔

- ۲- مرزا صاحب نے مان لیا کہ مسیح بھی اسی امت محمدیہ ﷺ کے شمار میں آچکا ہے۔ (۶۲۳)
- ۳- مرزا صاحب کہتے ہیں میں نبی ہوں اور میرے لیے آیت خاتم النبیین مانع نہیں کیوں کہ مجھے درجہ فنا فی الرسول حاصل ہے اور میں رسول خدا سے کچھ جدا نہیں ہوں۔
- ۴- فنا فی الرسول کا قاعدہ کلیہ حضرت مسیح پر زیادہ ثابت ہوتا ہے۔ انجیل اور صحیح مسلم اس کے گواہ ہیں۔
- پس ثابت ہو گیا۔ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال میں بڑی غلطی کھائی ہے یا صریح مغالطہ دیا ہے۔
- ناظرین یہ بھی یاد رکھیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو خدا کے نبی ہیں۔ وہ ہمارے سید و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابی بھی ہیں۔ صحابی کی تعریف یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا حضرت مسیح سے شب معراج کو ملاقات کرنا ثابت ہے۔ پس نتیجہ یہ ہے کہ اگر صدیق و فاروق کی خلافت کے لیے آیت خاتم النبیین مانع ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خلافت کے لیے بھی مانع نہیں ہے۔ اور اگر ان کے لیے مانع نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی مانع نہیں۔ ایک نبی کا نبی ہو کر پھر صحابی ہونا بھی بعید نہیں۔ حضرت ہارون و یحییٰ کی مثالیں موجود ہیں۔ ہارون علیہ السلام تو موسیٰ کے صحابی تھے، یحییٰ زکریا علیہ السلام کے۔

(۲۲) بانیسویں آیت وفات مسیح علیہ السلام پر یہ پیش کی ہے:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

یعنی اہل کتاب سے پوچھ لو۔ اگر تم کو معلوم نہ ہو۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ جب ہم نے نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ کیا اگر کسی نبی

گذشتہ کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو۔ تو وہی آجاتا ہے یا ایسی عبارتوں کے کچھ اور معنی ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہم شکل ایک مقدمہ حضرت مسیح ابن مریم فیصل کر چکے ہیں۔ دیکھو کتاب سلاطین کتاب ملا کی۔ انجیل کہ ایلیا کا دوبارہ آسمان ۱۔ سے اترنا مسیح نے کس طور پر بیان فرمایا ہے۔“

ناظرین اس بیان میں مرزا صاحب نے چند غلطیاں کی ہیں: اول معنی آیت کے سمجھنے میں۔ آیت کے صاف معنی یہ ہیں کہ اگر تم کو معلوم نہ ہو تب اہل

☆ حاشیہ: ۱: آئیے مرزا صاحب اگر آپ فَاَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ پر ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں تو یوں ہی فیصلہ کر لیں۔ آپ نے الفاظ ایلیا کا دوبارہ آسمان سے اترنا ”لکھ کر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ ایلیا آسمان پر چڑھایا گیا۔ آپ یہ دریافت کرتے ہیں کہ اس کا اترنا کس طور کا بیان کیا گیا ہے تو پہلے یہ دریافت کر لیجیے کہ ”ایلیا کا آسمان پر چڑھ جانا کس طرح بیان کیا گیا ہے اور یوں ہوا کہ جب خداوند نے چاہا کہ ایلیا کو ایک بگولے میں اڑا کے آسمان پر لے جاوے۔ تب ایلیاہ السبع کے ساتھ جلیجل سے چلا اور ایلیا نے السبع کو کہا تو یہاں ٹھہر اس لیے کہ خداوند نے مجھے بیت ایل کو بھیجا ہے۔ سو السبع بولا۔ خداوند کی حیات اور تیری جان کی سگند میں تجھے نہ چھوڑوں گا سووے بیت ایل کو اتر گئے اور انبیاء زادے جو بیت ایل میں تھے نکل کے السبع کے پاس آئے اور اس کو کہا تجھے آگاہی ہے کہ خداوند آج تیرے سر پر سے آقا کو اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا ہاں میں جانتا ہوں۔ تم چپ رہو۔ تب ایلیاہ نے اس کو کہا۔ اے السبع تو یہاں ٹھہر کہ خداوند نے مجھ کو یریکو کو بھیجا ہے۔ اس نے کہا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ سے جدا نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ یریکو میں آئے اور انبیاء زادے جو یریکو میں تھے السبع کے پاس آئے اور اس سے کہا تو اس سے آگاہ ہے کہ خداوند آج تیرے آقا کو تیرے سر پر سے اٹھالے جائے گا۔ وہ بولا میں تو جانتا ہوں۔ تم چپ رہو اور پھر ایلیاہ نے اس کو کہا تو یہاں درنگ کر کہ خداوند نے مجھ کو یرون بھیجا ہے وہ بولا خداوند کی حیات اور تیری جان کی قسم میں تجھ کو نہ چھوڑوں گا۔ چنانچہ وہ دونوں آگے چلے اور ان کے پیچھے پیچھے پچاس آدمی انبیاء زادوں میں سے

کتاب سے پوچھو خدا کے فضل سے نزول مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ایسا نہیں۔ جو ہم کو

بقیہ حاشیہ: ۱: ☆ روانہ ہوئے اور سامنے کی طرف دور کھڑے ہو رہے اور وہ دونوں لب یرون (ناع ریا) کھڑے ہوئے اور ایلیاء نے اپنی چادر کو لیا اور پلیٹ کر پانی پر مارا کہ پانی دو حصے ہو کے ادھر ادھر ہو گیا اور اسے دونوں خشک زمین پر ہو کے پار ہو گئے۔

اور ایسا ہوا کہ جب پار ہوئے تب ایلیاء نے المسیح کو کہا کہ اس سے آگے کہ میں تجھ سے جدا کیا جاؤں۔ مانگ کہ میں تجھے کیا کچھ دوں۔ تب المسیح بولا مہربانی کر کے ایسا کیجئے کہ اس روح کا جو تجھ پر ہے مجھ پر دہرا حصہ ہو۔ تب وہ بولا تو نے بھاری سوال کیا۔ سو اگر مجھے آپ سے جدا ہوتے ہوئے دیکھے گا تو تیرے لیے ایسا ہوگا اور اگر نہیں تو ایسا نہ ہوگا۔

اور ایسا ہوا کہ جوں ہی وہ دونوں بڑھتے اور باتیں کرتے چلے جاتے تھے تو دیکھ کہ ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے درمیان آگے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیاء بگولے میں ہو کے آسمان پر جاتا رہا اور المسیح نے دیکھا اور چلایا اے میرے باپ میرے باپ اسرائیل کی رتھ اور اس کے ساتھی۔ سو اُس نے پھر نہ دیکھا اور اس نے اپنے کپڑوں پر ہاتھ مارا اور انہیں دو حصے کیا اور اس نے ایلیاء کی چادر کو جو اوپر سے گر پڑی تھی اٹھالیا اور الٹا پھرا اور یرون کے کنارے پر کھڑا ہوا اور وہاں اس نے ایلیاء کی چادر کو جو اس پر سے گر پڑی تھی، لے کر پانی پر مارا اور کہا کہ خداوند ایلیاء کا خدا کہاں ہے اور اس نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا تو پانی ادھر ادھر ہو گیا اور المسیح پار ہو گیا۔“ مرزا صاحب ایلیاء کے آسمان پر چڑھ جانے کی کیفیت مفصل پڑھ کر اب اپنے اس فقرہ کو یاد کریں کہ جب جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر چلے جانا ثابت ہو جائے تو پھر اسی جسم کے ساتھ اتنا کچھ مشکل نہیں۔ نیز یہ فقرہ مسیح کا جسم کے ساتھ آسمان سے اتنا اس کے جسم کے ساتھ چڑھنے کی فرع ہے ازالمہ ص ۲۶۹۔ اور ملاحظہ کیجئے کہ ایلیاء کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھنا کس وضاحت سے اہل کتاب کے صحف سماوی میں مندرج ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایلیاء کی جس چادر کے گرنے کا ذکر ہے وہ اس کا جسم ہی تو تھا بالکل غلط ہے کیوں کہ اول تو شروع باب میں یہ فقرہ ہے یہ

معلوم نہ ہو۔ قرآن مجید سے لے کر صحاح ستہ اور دیگر تمام دواوین حدیث میں نزول مسیح علیہ السلام کی مفصل خبریں درج ہیں بلکہ میں دعوے کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ احادیث نزول مسیح میں اس قدر تفصیل اور تشریح ہے کہ آج تک کسی پیشگوئی کو تو کیا گذشتہ واقعہ کو بھی کسی مورخ نے ایسی خوبی اور صفائی سے شاید ہی بیان کیا ہو۔ میرا یہ کہنا تو مرزا صاحب کو ناگوار خاطر ہوگا کہ انہوں نے ان احادیث پر نظر نہیں ڈالی مگر اس میں شک نہیں کہ ان کی تحریر میں ان احادیث کا علم ہونے کی ذرا بھی دلالت نہیں۔

الف: مرزا صاحب !!! جغرافیائی طور پر اس پیشگوئی کے متعلقہ احادیث اس طرح پر ہیں:

- ۱- مدینہ کی آبادی اباب تک پہنچ جائے گی۔ (صحیحین) ناظرین آج ہمارے زمانہ تک اس حد تک آبادی نہیں پہنچی۔
- ۲- اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر میں مدینہ ویران ہوگا (ترمذی) خدا کے فضل سے آج تک مدینہ آباد و بارونق ہے۔
- ۳- بیت المقدس کی کامل آبادی سب سے مدینہ کی خرابی کا۔ مدینہ کا خراب ہونا سب سے جنگ عظیم کا۔ جنگ عظیم کا واقع ہونا سب سے قسطنطنیہ کی فتح کا۔ قسطنطنیہ کا فتح ہو جانا وقت ہے خروج دجال کا (ابوداؤد) یہ فقرہ یاد دلانے

بقیہ ☆ حاشیہ ۱: خدا نے چاہا کہ ایلیاہ کو ایک گولے میں اڑا کر آسمان پر لے جاوے۔ گولے میں اڑا کر لے جانا روح سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ دوم یہ فقرہ ایلیاہ نے اپنی چادر کو لپیٹ کر دیا پر پھینک کر مارا۔ پانی ادھر ادھر ہو گیا اگر چادر سے مراد جسم ہے تو ایلیاہ نے خود اپنے جسم کو کس طرح لپیٹ کر دریا پر مارا تھا۔ سوم یہ فقرہ السبع نے بھی اس چادر کو جب پانی پر مارا کیا السبع نے اپنے پیر و مرشد کی لاش کو پھینک کر مارا تھا غرض یہ تاویل فضول ہے۔ اور سلاطین ۲ باب ۲ سے ایک جسم کا آسمان پر جانا ثابت ہے۔ اگر مرزا صاحب کو فاسفعلوا اہل الذکر پر ایمان ہے تو پہلے اس صعود جسمی کو تو مان لیں۔

کی ضرورت نہیں۔ کہ خروج الدجال سبب ہے نزول مسیح کا۔
۴ حضرت مسیح شہر بیت المقدس میں اور مسلمانوں کے لشکر میں نازل ہوں گے (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ب: اس کے بعد ملکی انقلابات سے متعلقہ احادیث پر نظر ڈالئے:
۱- مسلمانوں کا لشکر جو نصاریٰ کی طلب میں نکلا ہوگا۔ اس فوج کے مقابل ہوں گے جس نے قسطنطنیہ فتح کر لیا ہوگا۔ تین روز تک مسلمانوں کو شکست ہوتی رہے گی۔ چوتھے روز مسلمانوں کو فتح کامل حاصل ہوگی۔ اس جنگ سے روزہ میں ۹۹ فیصدی مقتول ہوں گے۔ اس فتح کے بعد مسلمان قسطنطنیہ کو فتح کر لیں گے۔ فتح کے بعد جب ملک شام میں پہنچیں گے۔ تب الدجال خروج کرے گا اور پھر نماز صبح کے وقت حضرت عیسیٰ نزول فرمائیں گے۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن مسعود)

۲- الدجال زمین مشرق خراسان سے نکلے گا۔ ترمذی عن ابی بکر صدیق۔ وہ بجز مکہ و مدینہ سب جگہ پھر جائے گا۔ (مسلم)

۳- حضرت عیسیٰ مسیح باب لد پر دجال کو قتل کریں گے۔
ج- تعین زمانہ اور سنین کے اعتبار سے ملاحظہ فرمائیے:

۱- جنگ عظیم اور فتح قسطنطنیہ میں ۶ سال کا فاصلہ ہے اور الدجال کا خروج ساتویں سال میں ہے (ابوداؤد و صحیح)

گو میں نے ان احادیث کی طرف نہایت مختصر لفظوں میں اشارہ کیا ہے۔ مگر حق کے طالب اور صداقت کے جو یا ان بیانات سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ میری غرض ان احادیث کو دکھانے سے یہ ہے کہ جب اسلام نے اپنی تعلیم کو خود مکمل کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ناچیز بندوں پر اپنی نعمت کو تمام فرما دیا ہے اور بحث فیہ مسئلہ میں بھی ایسی صراحت سے مسلمانوں کو آگاہ فرمایا ہے۔ تو ان نعمتوں کی قدر نہ کرنا اس پاک اور آخری تعلیم پر اعتبار نہ کرنا اور پھر اہل کتاب سے پرش کا اپنے آپ کو محتاج جاننا کیا ہی لغو فعل ہے۔ جس طرح بہت سے شوم طبع بھکاری (جن

کے اندوختہ سے ان کے نفس کو بھی منفعت حاصل نہیں ہوتی) سینکڑوں اشرفیاں اپنی سڑی بسی گدڑی میں چھپا رکھتے ہیں اور پیسہ پیسہ کے لیے در بدر بھٹکتے پھرا کرتے ہیں۔ بس اس جگہ بھی ٹھیک وہی مثال ہے۔

دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ رائے ہے کہ نصاریٰ کی کتابوں سے یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ جب کسی نبی کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہو تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں۔“ مرزا صاحب کیوں یہ دیکھنا نہیں چاہتے کہ ان کتابوں میں خاص حضرت مسیح کے آنے کے بارہ میں کیا لکھا ہے کیوں کہ اس جگہ عمومیت کا سوال نہیں بلکہ خصوصیت کا ہے۔

میں معزز ناظرین کی نزہت طبع کے لیے مسیح کے آنے کے بارہ میں جو کچھ انجیل میں لکھا ہے پیش کرتا ہوں۔ متی ۲۴ باب میں یہی بیان ہے:

۱- یسوع ہیکل سے نکل کر چلا گیا اور اس کے شاگرد اس کے پاس آئے کہ اسے ہیکل کی عمارتیں دکھلائیں۔

۲- پر یسوع نے کیا کیا تم یہ سب چیزیں دیکھتے ہو میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ یہاں پتھر پتھر پر نہ چھوٹے گا جو گرایا نہ جائے گا۔

۳- جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا اس کے شاگرد اس کے پاس آئے اور بولے کہ یہ کب ہوگا اور تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔

۴- اور یسوع نے جواب دے کر انہیں کہا۔ خبردار ہو کہ کوئی تمہیں گمراہ نہ کرے۔

۵- کیوں کہ بہترے میرے نام پر آویں گے اور کہیں گے میں مسیح ہوں (۲) اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔

۶- اور تم لڑائیاں اور لڑائیوں کی افواہ سنو گے۔ خبردار مت گھبراؤ کیوں کہ ان سب

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا نشان کیا ہے۔“ یہ الفاظ ﴿إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ﴾ کا ترجمہ ہیں۔ مرزا صاحب نے انہ کی ضمیر میں جو مختلف وجوہ پیش کیے ہیں۔ احادیث نبوی کے الفاظ اور انجیل کے الفاظ اس کا تصفیہ کرتے ہیں۔

- باتوں کا واقع ہونا ضرور ہے۔ پر اب تک اخیر نہیں ہے (یعنی قیامت نہیں)
- ۷۔ کیوں کہ قوم قوم پر اور بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی۔ اور کال و بائیں اور جگہ جگہ زلزلے ہوں گے۔
- ۸۔ پھر یہ سب باتیں مصیبتوں کا شروع ہیں۔ تب وہ تمہیں دکھ میں حوالے کریں گے اور میرے نام کے سبب قومیں تم سے کینہ رکھیں گی۔
- ۹۔ اور اس وقت بہتیرے ٹھوکر کھائیں گے اور ایک دوسرے سے کینہ رکھے گا۔
- ۱۰۔ اور بہت جھوٹے نبی اٹھیں گے اور بہتوں کو گمراہ کریں گے۔
- ۱۱۔ اور بے دینی پھیل جانے سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جاوے گی۔
- ۱۲۔ پر جو آخر تک سہے گا وہی نجات پاوے گا۔
- ۱۳۔ اور بادشاہت کی یہ خوشخبری ساری دنیا میں سنائی جاوے گی۔ تاکہ سب قوموں پر گواہی ہو اور اس وقت آخر آوے گا۔
- ۱۴۔ پس جب ویرانی کی مکروہ چیز کو جس کا دانیال بنی کی معرفت ذکر ہوا

☆ بقیہ حاشیہ: حواریوں کے الفاظ سوال سے یہ بھی معلوم ہے کہ اس سوال سے پہلے بھی ان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے اور پھر قرب قیامت میں بار دوم آنے کا حال معلوم ہو چکا تھا یعنی وہ یہ وقت تھا۔ جب اللہ تعالیٰ ﴿ہٰنسی متوفیک ورافعک الی﴾ کا وعدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکا تھا۔ اور ان الفاظ کے معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نیز ان کے حواری وہی سمجھے تھے۔ جو آج جمہور مسلمانوں نے سمجھے ہیں ورنہ تیرے آنے کا اور دنیا کے اخیر کا کیا نشان ہے۔ بالکل بے معنی ہوا جاتا ہے کیوں کہ حضرت مسیح تو خود ان میں موجود تھے اور آنے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔

☆ حاشیہ ۳: حضرت عیسیٰ نے پیشگوئی کیسے صاف اور واضح الفاظ میں حقیقی طور پر فرمائی ہے اور اطلاع دی ہے کہ بہت سے لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو مسیح کا نام اور درجہ اپنے لیے ثابت کریں گے پھر علامت اور نشان کے طور پر فرمادیا کہ جھوٹے مسیح اس زمانہ میں پیدا ہوں گے جب لڑائیاں شروع ہوں گی یا لڑائیوں کی افواہ۔ قوم پر بادشاہت بادشاہت پر چڑھے گی۔ کال و بائیں، زلزلے آئیں گے اب ان علامات

ہے، مقدس مکان میں کھڑے دیکھو گے۔ (یعنی جب الدجال بیت المقدس پہنچے)

- ۱۵- تب جو یہودیہ میں ہوں پہاڑوں پر بھاگ جائیں۔
- ۱۶- جو کوٹھے کے اوپر ہو۔ اپنے گھر سے کچھ نکالنے کو نہ اترے۔
- ۱۷- اور جو کھیت میں ہوا پنا کپڑا اٹھا لینے کو پیچھے نہ پھرے۔
- ۱۸- پر ان پر افسوس جو ان دنوں میں حاملہ اور دودھ پلانے والیاں ہوں۔
(کیوں کہ جب بچہ پیٹ یا گود میں ہوتا ہے بھاگنا نہیں جاتا)
- ۱۹- سودعا مانگو کہ تمہارا بھاگنا جاڑے میں بار کے دن نہ ہو (اس سے ظاہر ہے کہ الدجال بیت المقدس میں موسم سرما اور یوم شنبہ کو پہنچے گا۔) بھاگنا نہ ہو سے مطلب یہ ہے کہ خداتم کو وہ دن نہ دکھائے)
- ۲۰- کیوں کہ اس وقت ایسی بڑی مصیبت ہوگی۔ جیسی دنیا کے شروع سے اب تک نہ ہوئی اور نہ کبھی ہوگی۔
- ۲۱- اور اگر وہ (دن) گھٹائے نہ جاتے تو ایک تن بھی نجات نہ پاتا۔ پر برگزیدوں کی خاطر وہ دن گھٹائے جائیں گے۔
- ۲۲- تب اگر کوئی کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے۔ یا وہاں تو یقین مت لاؤ۔
- ۲۳- کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی انھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھائیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

بقیہ ☆ حاشیہ: ۲: پر نظر غور سے دیکھو۔ پہلے مرزا صاحب کا وہ دعویٰ یاد کرو ”جعلنک مسیح ابن مریم“ یعنی میں مسیح ہوں پھر فرانس کا جنگ، سیام سے سوڈانوں کا، مصر سے انگریزوں کا، افریقہ میں وحشی لوگوں سے۔ ہندوستان میں برہما اور شمالی پہاڑی والوں سے وغیرہ وغیرہ پر نگاہ ڈالو۔ پھر روس اور انگلستان کی اور جرمنی فرانس کی اور یونان و روم کی جنگ کی افواہیں یاد رکھو۔ اور پھر اس نتیجہ کو جو مسیح علیہ السلام نے نکالا ہے انصاف سے دیکھو کہ وہ جھوٹے مسیح بہتیروں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے۔ فقط

- ۲۴- دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔
- ۲۵- پس اگر وہ (لوگ) تمہیں کہیں دیکھو وہ (مسیح) جنگل میں ہے۔ تو باہر مت جاؤ۔ دیکھو وہ کوٹھڑی میں ہے (جس کا نام مرزا صاحب نے بیت الذکر رکھا ہے) تو باہر مت کرو۔
- ۲۶- کیوں کہ جیسے بجلی پورب سے کوندتی ہے۔ اور پچھم تک چمکتی ہے۔ ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔
- ۲۷- اور فی الفور ان دونوں کی مصیبت کے بعد سورج اندھیرا ہو جائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا اور ستارے آسمان سے گریں گے اور آسمان کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔
یوحنا کی انجیل میں دیکھئے:
- ۲۸- تم سن چکے ہو۔ کہ میں نے تم کو کہا۔ کہ جاتا ہوں۔ اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھے پیار کرتے تو میرے اس کہنے سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے۔ کیوں کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔
- ۲۹- اور اب میں نے تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا ہے تاکہ جب ہو جاوے۔ تم ایمان لاؤ۔ (۱۵ باب)۔ مرقس کے ۱۳ باب اور لوقا کے ۱۷ باب میں بھی اسی طرح ہے۔
- اب مرزا صاحب انصاف اور حق پسندی کی راہ سے فرمائیں کہ آپ حضرت مسیح کا بیان ان کے بعد نزول کے بارہ میں جو اس قدر مفصل ہے اور انا جیل اربعہ میں منقول ہے۔ کیوں منظور نہیں فرماتے۔ انجیل یوحنا کا یہ فقرہ میں نے تم کو کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ زیادہ تر تدبیر اور غور کے قابل ہے۔ ظاہر ہے ”پھر آتا ہوں۔“ وہی شخص کہا کرتا ہے جو پہلے جانا کرتا ہے۔ پہلے جانا حضرت مسیح علیہ السلام کا ہمارے اور مرزا صاحب کے نزدیک مسلم ہے (گو اس کی کیفیت میں اختلاف ہو) مگر پھر آتا ہوں۔“ کی مرزا صاحب بڑے زور سے تردید

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کا پھر آنا محال اور قدرت کے خلاف ہے۔ اندریں حالت کہ مرزا صاحب ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ﴾ پکار رہے ہیں۔ اور انجیل حضرت مسیح کا بذات خود دنیا پر مکرر آنا باواز بلند پکار رہی ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ مرزا صاحب نے کیوں اور کیوں کر اس آیت کو وفات مسیح علیہ السلام کی دلیل بنایا ہے اور نہ صرف خوش اعتقاد مریدوں کو، بلکہ کل مسلمانوں کو کیسی صریح غلطی میں ڈالنا چاہا ہے۔

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں نزول مسیح علیہ السلام کی کیفیت کیا لکھی ہے؟ اب میں ایلیا کے اُس قصہ پر توجہ کرتا ہوں جس کا حوالہ اس آیت متدلہ کے تحت میں مرزا صاحب نے دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہود حضرت ایلیا کی آمد کے منتظر تھے۔ جب حضرت مسیح نے نبوت کا اظہار کیا تو یہود نے یہ اعتراض کیا کہ پہلے ایلیا آنا چاہئے تھا اگر تو مسیح ہے بتا، ایلیا کہاں ہے؟ حضرت مسیح علیہ السلام کا جواب اس بارہ میں انجیل میں یوں تحریر ہے کہ حضرت یوحنا کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا۔ آنے والا ایلیا یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔ اس جواب کا وہی مطلب ہے جو مرزا صاحب نے سمجھا ہے مگر ناظرین انجیل کو ذرا تامل سے ملاحظہ فرمائیے۔ اسی انجیل میں یہ بھی ہے کہ جب علماء یہود کے فرستادوں نے خود حضرت یوحنا سے سوال کیا کہ آپ کون ہیں۔ آیا مسیح ہیں۔ کہا میں نہیں ہوں۔ پوچھا کیا آپ ایلیا ہیں۔ فرمایا میں نہیں ہوں۔ آیا وہ نبی ہیں (وہ نبی ترجمہ ہے آنحضرت کا) کہا میں نہیں ہوں۔ انہوں نے پھر دریافت کیا کہ اگر آپ نہ مسیح ہیں نہ ایلیا ہیں نہ وہ نبی ہیں تو پھر کون ہیں۔ حضرت یوحنا (یعنی علیہ السلام) نے جواب دیا میں وہ ہوں جس کی یسعیاہ نبی نے خبر دی تھی۔

اب دیکھو کہ اگر انجیل کا یہ بیان ہے کہ مسیح نے یوحنا کو ایلیا بتایا تو انجیل ہی کا یہ بیان ہے کہ یوحنا نے ایلیا ہونے سے انکار کیا۔ چیلہ نے اپنے گرد کو (کچھ) بنانا چاہا مگر وہ نہ بنا۔

فرمائیے مسیح جو دوسروں کے بارہ میں کہہ رہا ہے وہ سچا ہے یا یوحنا جو خود اپنے حال کی خبر دیتا ہے وہ صادق ہے۔ نبی دونوں ہیں نتیجہ کیا نکالو گے؟ یہی کہ نبی تو دونوں سچے ہیں۔ ہاں مسیح کے قول میں تحریف ہو گئی ہے۔ اس قدر لکھنے کے بعد جس سے ایلیا کا یوحنا میں ہونا غلط محض ثابت ہو چکا۔ یہ بھی درج کر دینا چاہتا ہوں کہ یہودی اگر حضرت ایلیا کے آنے کے قائل بھی تھے تو ان کے اعتقاد میں یہ ہرگز نہ تھا کہ خود آسمان پر سے اترے گا۔ دیکھو علماء یہود نے حضرت یوحنا سے آکر یہ پوچھا ہے کہ تو مسیح ہے یا ایلیا۔ یا وہ نبی۔ اگر ایلیا کے آسمان سے نزول فرمانے کے وہ قائل ہوتے تو حضرت یوحنا پر مسیح اور وہ نبی ہونے کا شبہ نہ کرتے۔ اور جب انہوں نے شبہ کیا تو اس کے صرف دو معنی ہیں یا تو یہود مسیح اور وہ نبی اور ایلیا تینوں کے نزول من السماء کے قائل تھے اور یہ بہ بداہت باطل ہے کیوں کہ مسیح اور وہ نبی تو ہنوز بار اول بھی دنیا میں پیدا نہ ہوئے تھے۔ یا یہ کہ وہ ایلیا کے بحسدہ آسمان سے نازل ہونے کے قائل نہ تھے اور یہی فقرہ کا مطلب ہے۔ بدیں صورت مرزا صاحب کی وجہ استدلال کچھ بھی نہ رہی اور ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب نے اس آیت سے استدلال کرنے میں چند در چند غلطیاں کیں اور مغالطے دیئے ہیں۔

(۲۳) تیمسویں آیت:

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً

مَرْضِيَّةً فَإِنَّكَ خُلِيتِ فِي عِبَادِي وَإِذَا خُلِيتِ جَنَّتِي﴾

”اے اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف پھر جا تو اس سے راضی وہ تیرے

سے راضی پھر میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں چلا آ“

مرزا صاحب کی وجہ استدلال یہ ہے کہ گذشتہ جماعت میں دخل جب مل

سکتا ہے جب انسان مر جائے اور صحیح بخاری کی حدیث معراج سے ثابت ہے کہ

حضرت عیسیٰ بھی فوت شدہ نبیوں کے گروہ میں شامل تھے۔ لہذا یہ نص وفات مسیح پر

دلائل صریح رکھتی ہے۔

ناظرین مرزا صاحب کا صغری و کبری دونوں غلط ہیں۔ صحیح بخاری کی اسی حدیث پر جس کا مرزا صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ اگر تدبیر کرتے تو اس غلطی پر وہ جلد مطلع ہو جاتے۔ مرزا صاحب فرمائیے نبیوں کی فوت شدہ جماعت میں حضرت عیسیٰ کو دیکھنے والا کون تھا؟ ظاہر ہے ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت آپ اسی دنیوی حیات میں تھے پس جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ کا گذشتہ انبیاء کے گروہ میں دخل ہوا دخل مل جانے کے بعد کچھ تفاوت نہیں کہ تھوڑی دیر کے لیے ہو۔ یا زیادہ دیر کے لیے اسی طرح مسیح بھی اس وقت اس گروہ میں موجود تھے اس غلطی کے بعد دوسری غلطی مرزا صاحب کی یہ ہے کہ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا اگر وہ ﴿يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُمْ فَرَاغِدْ إِلَىٰ آلِكَ﴾ اور ﴿يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُمْ فَرَاغِدْ إِلَىٰ آلِكَ﴾ دونوں پر چشم بصیرت سے نظر فرماتے تو ان کو صداقت کا نور درخشاں نظر آتا۔ پہلی آیت میں عیسیٰ مخاطب ہیں عیسیٰ میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں اور دوسری میں صرف نفس یعنی روح مخاطب ہے۔ پہلی آیت میں رَافِعَكَ إِلَىٰ ہے اور دوسری میں اِرْجِعِي۔ دنیا بھر کے لغات میں تلاش کرلو۔ نہ رجوع بمعنی رفع ملے گا اور نہ رفع بمعنی رجوع پھر ایک کو دوسری سے کیا مناسبت ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ رفع کے معنی کلام الہی میں وہی ہیں جو اس کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں اور مرزا صاحب نے اپنی تقویت کے لیے لفظ کو اس کے اصلی معنی سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنادیا ہے۔

مرزا صاحب آپ نے رَافِعَكَ إِلَىٰ کو اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ کے ہم معنی بنادیا ہے اگر کوئی کہے کہ اِرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ اور وَاللّٰی رَبُّكَ فَرَعَبٌ بھی ہم معنی ہیں تو آپ کیا جواب دیں گے۔

(۲۴) چوبیسویں آیت:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ﴾

خدا وہ ہے۔ جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر رزق دیا۔ پھر مارے گا۔ پھر زندہ

کرے گا،“ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ یہی چار واقعات زندگی کے ہیں۔ اس سے کوئی باہر نہیں یعنی مسیح بھی۔“

ناظرین یہ سچ ہے کہ ان واقعات چار گانہ میں کل مخلوق داخل ہے مگر حروف ثَم جو ہر حالت کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ بتاتا ہے کہ یہ تمام واقعات آن واحد ہی میں شخص واحد پر گزر نہیں لیتے۔ بلکہ ان سب میں ترائی (دیر اور فاصلہ) اور ترتیب کا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستمعین کے لیے آیت خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ کے الفاظ صیغہ ماضی کے ساتھ ہیں اور ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ کے الفاظ صیغہ مضارع سے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ گو مستمع پر دو واقع گزر گئے ہوں اور گزر رہے ہوں مگر دو امور آئندہ پیش آئیں گے پس جب آیت کا مفہوم زندہ جانداروں کی وفات بالفعل کا مقتضی نہیں بلکہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ سب کو مر جانا ہے اور سب پر ان واقعات چار گانہ نے گزر لینا ہے تو وفات مسیح پر استدلال کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کا اعتقاد یہ ہے کہ آج کل حضرت مسیح ثَم رَزَقَكُمْ کے مصداق حال ہیں؟

(۲۵) پچیسویں آیت:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾
یعنی جو چیز زمین پر ہے وہ فنا کی طرف میل کر رہی ہے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے فان کا لفظ اختیار کیا۔ یعنی نہیں کہا۔ مطلب یہ کہ فنا کا سلسلہ ساتھ ساتھ جاری ہے۔ ہمارے مولوی صاحبان یہ گمان کر رہے ہیں کہ مسیح بن مریم اسی فانی جسم کے ساتھ بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ (ازالہ ۶۲۰)

ناظرین ہمارا ایمان ہے کہ ہر شے کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے۔ ہم مرزا صاحب کے بیان کو سچ جانتے ہیں کہ یغنی کی جگہ فان کا لفظ اختیار کرنے میں یہی بلاغت اور حکمت تھی مگر مرزا صاحب یہ فرمائیں کہ اس میں وفات بالفعل کی دلیل کہاں ہے۔ یہ بھی جناب ممدوح کا مولوی صاحبان پر انفرامحض ہے کہ مسیح بلا تغیر و تبدل آسمان پر بیٹھا ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور اعتقاد رکھتے ہیں کہ زمانہ کے تغیر و تبدل کا

اثر بعض جسموں پر (غیر معمولی کہو یا خرق عادت کے طور پر سمجھو) ایسا خفیف ہوتا ہے کہ وہ اثر نہ خود اس جسم کو محسوس ہوتا ہے اور نہ اس کے دیکھنے والے کو۔ اصحاب کہف جب ۳۰۹ برس کے بعد اٹھے تو انہوں نے اپنے خواب کی درازی مدت کو صرف ﴿يَوْمٌ أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ﴾ خیال کیا تھا علیٰ ہذا۔ جب ان میں سے ایک بازار میں گیا تو بازار والے بھی جسمی ساخت وغیرہ سے اس کو اپنے ہی زمانہ کا ایک شخص سمجھ کر (کیوں کہ ان کو بھی کوئی ایسا تغیر نہ معلوم ہوا۔ جس سے وہ ان کو گذشتہ چار صدیوں کا آدمی خیال کر لیتے) اور ان کے ہاتھ میں نہایت پرانے عہد کا سکہ دیکھ کر وور دراز کے خیالات میں پھنس گئے تھے۔ تغیر و تبدل کے اثر کا تفاوت طبقات ارض پر بھی ہے۔ گرم ولایت میں مردوزن جلد جوان ہو جاتے ہیں اور سرد میں ان سے کئی سال بعد۔ گرم ولایت کے رہنے والے جلد بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ سرد ولایت کے بہ دیر۔ آسمانی زمین پر رہنے والوں میں تغیر و تبدل ایسا کم اور غیر محسوس ہے جس کے لیے کسر اعشاریہ کے صفر بھی مشکل سے کفایت کر سکتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کل من کی تحت میں آسمان کے فرشتے بھی شامل ہیں اور مرزا صاحب بھی جانتے ہیں کہ فان کا اثر ان پر بھی ہے۔ یعنی سلسلہ فنا ان کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ وہ ہزاروں برس سے عبادت کرنے والے ہنوز ایسے زمانہ تک جس کی حد انسانی وہم و گمان سے برتر ہے، زندہ رہیں گے۔ اب مرزا صاحب کے نزدیک اگر مولوی صاحبان نے مسیح علیہ السلام کے جسم پر جو زمین آسمانی پر ہے، نامعلوم تغیر و تبدل کا تا نزول ہونا مان لیا ہے اور اس ماننے سے ان کی توحید اور ان کی اطاعت قرآن کریم کے دعویٰ باطل ہو گئے ہیں تو کیا خود مرزا صاحب پر وہی اعتقاد دربارہ فرشتگان رکھنے میں وہی اعتراض عاید نہ ہوں گے۔ سبحان اللہ قضی الرجل علی نفسه اسی کو کہتے ہیں۔

مرزا صاحب یہ آفتاب جو آپ کے نزدیک جسم جبریل کا نام ہے اس کے وجود میں ایسا کم تغیر و تبدل ہے کہ آپ کے فلسفیوں کے نزدیک (جن کی تحقیقات پر

بھروسہ کر کے اور جن کی ہنسی اڑانے کے خوف سے ڈر کے آپ نے رفع مسیح کا انکار کیا ہے) اس کی اتنی حدت اور حرارت جو دنیا کو گرم نہ رکھ سکے، پچاس کروڑ برس میں جا کر کم ہوگی۔

(۲۶) چھبیسویں آیت:

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ فِي مَقْعِدِ صِدْقٍ
عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾

اس کا ترجمہ مرزا صاحب نے بدیں الفاظ کیا ہے: ”متقی لوگ جو خدائے تعالیٰ سے ہر ایک قسم کی سرکشی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ فوت ہو جانے کے بعد جنات اور نہر میں ہیں، صدق کی نشست گاہ میں با اقتدار بادشاہ کے پاس ہیں۔“ اور وجہ استدلال یہ لکھی ہے کہ مرنا اور مقررین کی جماعت میں شامل ہو جانا اور بہشت میں داخل ہو جانا۔ یہ تینوں مفہوم ایک ہی آن میں پورے ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی لکھا ہے کہ اگر رافعک الی کے یہی معنی ہیں کہ مسیح خدائے تعالیٰ کی طرف اٹھایا گیا تو بلاشبہ وہ جنت میں بھی داخل ہو گیا۔“

ناظرین ترجمہ اور وجہ استدلال میں چند غلطیاں ہیں۔ ترجمہ میں ”فوت ہو جانے کے بعد“ بناوٹی الفاظ ہیں۔ جو مرزا صاحب کی مضمون آفریں طبیعت نے خود شامل کر دیے ہیں۔ اس آیت متدلہ کا تعلق مرنے کے بعد سے نہیں بلکہ روز قیامت سے ہے۔ الفاظ قرآنی یہ ہیں:

﴿بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةِ أَذْهَىٰ وَأَمْرًا إِنَّ
الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ﴾
آگے چار آیتیں مجرمین ہی کے بیان میں ارشاد فرما کر فرمایا:
﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ﴾

معزز ناظرین نہ صرف مرزا صاحب کا ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ یہ بھی کہ مرزا صاحب نے اسی آیت کی بنا پر جو یہ اصول قائم کیا تھا (حالانکہ الفاظ میں اس اصول

کی طرف صراحت تو کیا دلالت بھی نہیں) کہ انسان مرنے کے ساتھ ہی بہشت میں چلا جاتا ہے۔ وہ سراپا غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿يَوْمَ نَقُولُ لِحَبَّهِنَّ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ
وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ هَذَا مَا تُوعَدُونَ
لِكُلِّ أَزْوَاجٍ حَفِيظٍ مِّنْ خَشْيَةِ الرَّحْمَنِ الْغَيْبِ وَجَاءَ
بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ ذَلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ﴾

جس روز ہم جہنم کو پوچھیں گے تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کیا اور کچھ بھی ہے؟ اور (جس روز) متقین کے واسطے جنت کو آراستہ کر کے قریب لائیں گے یہ وہ بہشت ہے جس کا وعدہ ہر رجوع کنندہ (احکام کے) محافظ کو دیا گیا تھا جو شخص بن دیکھے رُحمن سے ڈرا رجوع کرنے والے دل کے ساتھ آیا۔ اس کو اس بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل کر دو۔ یہ دن یوم خلود ہے۔“

یہ آیت کس قدر مرزا صاحب کے تلازم اور ایک آن کے مسئلہ کو باطل کر رہی ہے۔ احادیث صحیحہ میں بھی بڑی تفصیل و تشریح ہے سب کی جامع ایک ہی حدیث ہے۔“ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔ میں سب سے پہلے دروازہ جنت جا کر کھٹکھٹاؤں گا۔ رضوان پوچھے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا ”محمد ﷺ رضوان دروازہ کھول دے گا اور کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔“ اگر مرزا صاحب کا یہ مذہب ٹھیک ہے تو ان کو اس حدیث کے بعد بتلانا پڑے گا کہ وفات محمد مصطفیٰ ﷺ سے پہلے تک جس قدر برگزیدگان خدا انتقال کرتے رہے۔ وہ سب کہاں جنت کے باہر رہے۔

یہ تمام تقریر تو مرزا صاحب کی اصولی غلطی ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی۔ اب میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آیت مستدلہ مرزا صاحب کے دعوے پر ذرا دلیل نہیں۔ بالفرض ان کا یہ بیان صحیح ہے کہ انسان مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو وفات مسیح پر یہ کیا دلیل ہے۔ برگزیدہ بندوں میں داخل ہونا اگر دلیل وفات ہوتی تو

شب معراج میں ہی رسول کریم ﷺ کا وفات پانا ایک مسلم واقع ہوتا جب ایسا نہیں ہوا تو آپ کا یہ استدلال ایسا بودا اور ضعیف ہے جس کو دعوے سے ذرا مناسب نہیں۔

(۲۷) ستائیسویں آیت:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا شَتَّتْ
أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ﴾

”جن لوگوں کو ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی مل چکی ہے وہ دوزخ سے دور رہیں گے اور بہشت کی آسائشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔“

مرزا صاحب کی وجہ استدلال وہی پرانی ہے کہ انسان مرتے ہی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور مضمون آیت یہ ہے کہ ”نیک بندے بہشت میں داخل ہوں گے۔ لہذا حضرت مسیح مر گئے۔“ مرتے ہی بہشت میں داخل ہونے کا غلط ہونا میں ثابت کر چکا ہوں۔ بالفرض یہ عقیدہ صحیح و درست ہے تاہم اس اصول سے کہ مُردے فوراً داخل بہشت ہیں، وفات مسیح بالفعل کہاں ثابت ہوگئی۔

(۲۹) اثنیسویں آیت:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾

”جو کچھ تم کو رسول دے وہ لے لو۔ اور جس سے منع کرے وہ چھوڑ دو۔“

آئیے مرزا صاحب اسی آیت پر عمل کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حیات مسیح اور نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں کیا فرمایا ہے۔

۱۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ لليهود ان عيسى لم يموت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة (تفسير ابن كثير)

”رسول خدا ﷺ نے یہود کو (جو وفات عیسیٰ کے قائل تھے) فرمایا

حضرت عیسیٰ ہرگز نہیں مرے اور وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔“

حدیث میں لم یمت کا لفظ غور طلب ہے۔ کیوں کہ لم نفی تاکید کے لیے آتا ہے اور مضارع کو بمعنی ماضی کر دیتا ہے مطلب یہ کہ اس وقت تک حضرت عیسیٰ نہیں مرے۔ اس حدیث پر شاید جرح ہو سکتی ہے کہ مرسل ہے امام حسن بصری نے صحابی کا نام نہیں لیا۔ مگر یہ جرح مرزا صاحب اور ان کے اخوان الصفا کی طرف سے تو ہو نہیں سکتی۔ کیوں کہ مرزا صاحب نے الحق جلد اول نمبر ۷ کے صفحہ ۸۰ پر تسلیم کر لیا ہے: مجرد ضعف حدیث کا بیان کرنا اس کو بھکی اثر سے روک نہیں سکتا۔“ مرسل حدیث بھکی پایہ اعتبار سے خالی اور بے اعتبار محض نہیں ہوتی۔“ اب رہے اہل حدیث وہ بھی اس حدیث پر کچھ جرح نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ امام حسن بصری سے بروایت صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ جب وہ روایت حدیث میں ارسال کرتے ہیں تو اس حدیث کے راوی حضرت علی مرتضیٰ ہوتے ہیں مگر بنی امیہ کے خلاف اور شورش کے خوف سے آپ نام نہیں لیا کرتے۔ اس سے واضح ہوا کہ حدیث بالا مرفوع ہے اور اس کی سند بھی جید اور عالی ہے۔“ مرزا صاحب اگر ”ما آتاکم الرسول“ پر ایمان رکھتے ہیں تو اس حدیث کے سامنے سراطاعت خم کریں۔

۲۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے ”لیس بینسی و بین عیسیٰ نبی وانہ نازل“ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور وہی عیسیٰ تم میں نازل ہوں گے۔ ان الفاظ کو مرزا صاحب ایمانی نظر سے دیکھیں کہ کس کا آنا ثابت ہوتا ہے اور کس کی زندگی واضح ہے۔

۳۔ امام احمد کی مسند اور ابن ماجہ میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شب معراج کو حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں پھر حضرت

عیسیٰ کو فیصلہ دیا گیا۔ انہوں نے کہا قیامت کے وقت کی خبر تو خدا کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدا نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو یوں پکھلنے لگے گا جیسے رانگ پگھل جاتا ہے۔

مرزا صاحب کیا یہ احادیث ”ما آتاکم الرسول“ میں داخل ہیں۔ یا نہیں اگر ہیں تو آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اگر آپ کے نزدیک ”ما آتاکم الرسول“ میں جملہ احادیث نبوی میں سے صرف وہ دو حدیثیں داخل ہیں جو آپ نے اس آیت کی تحت میں لکھی ہیں تو واضح ہو کہ یہ دو حدیثیں بھی آپ کے مدعا کے لیے ذرا مثبت نہیں۔

۱- ترمذی کی یہ حدیث آپ نے پیش کی ہے کہ اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین و اقلھم من یجوز ذلک جس کا ترجمہ بھی آپ نے صحیح کیا ہے کہ ”میری امت کی اکثر عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ایسے لوگ کمتر ہوں گے جو ان سے تجاوز کریں۔“ میں کہتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ بھی اقلہم میں داخل ہیں پھر یہ حدیث کیا دلیل آپ کے لیے ہے۔

۲- دوسری حدیث مسلم کی یہ پیش کی ہے: ما علی الارض من نفس منفوسۃ یاتی علیہا مائۃ سنۃ وہی حیۃ۔ جو زمین کے اوپر جاندار ہے۔ ایسا مخلوق نہیں کہ اس پر سو برس گزریں اور وہ زندہ ہو۔“ ما علی الارض کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ حکم صرف ان نفوس منفوسہ کے لیے ہے جو اس وقت زمین پر موجود تھیں۔ ورنہ ما علی الارض کی شرط لغو ٹھہرتی ہے بلکہ زیادہ تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متکلم ﷺ کو یہ تخصیص کرنے کے وقت حضرت مسیح کا ضرور خیال گزرا ہے اور اس لیے ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو روئے زمین کے کل انسانوں پر تو حاوی ہو سکیں مگر حضرت مسیح

☆ حاشیہ: ۱: میں نے از راہ اختصار تین احادیث پیش کی ہیں۔ تفصیل دو اور حدیث میں دیکھنی چاہیے ورنہ غایت المرام ضرور ملاحظہ ہو۔

اس سے مستثنیٰ بھی رہیں۔ لفظ الارض پر جن علماء نے علمی بحث کی ہے اور آیات ربانی کے قرائن سے الارض کے الف لام کو تعین کے لیے قرار دیا ہے اس بحث میں تو مرزا صاحب الارض کو ربع مسکون پر بھی اطلاق نہ کر سکیں گے۔ بلکہ جزیرہ عرب ہی مختص ہو جائے گا۔ الغرض یہ احادیث بھی آپ کے لیے کچھ مدد و معاون نہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مرزا جی ”ما آتاکم الرسول“ کے امر واجب الاذعان کو جو نہایت وسیع اور عام ہے، صرف دو حدیثوں کے اندر (جن کو آپ نے بہزار دقت اپنے مفید بنایا تھا مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوئے) محدود جانتے ہیں بلکہ جہاں کہیں رسول مغموم کے ارشادات جن کی طاعت ہم پر فرض کی گئی ہے، ان کے ادھام نفسانی کی مخالفت کرتے ہیں اس جگہ آپ نہایت دلیری اور جرأت سے احادیث رسول پر مخالفانہ حملہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کی نگاہ میں احادیث نبوی کی وقعت کو پرکاش سے بھی کم ظاہر کر دیں۔ اس بیان کے ثبوت میں کہ انہوں نے کس طرح پر جا بجا احادیث نبوی پر حملہ کیے ہیں اور کیسے کیسے پیرایہ میں ان کا ساقط الاعتبار ہونا زور و شور سے تحریر کیا ہے۔ مجھے زیادہ حوالے دینے کی ضرورت نہیں۔ میں اس جگہ اس قدر دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ”ما آتاکم الرسول“ کا امر واجب الاذعان اس وقت فراموش ہو جایا کرتا ہے۔

(۳۰) تیسویں آیت یہ ہے:

﴿أَوْ تَرْفُقِي فِي السَّمَاءِ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا
بَشَرًا رَسُولًا﴾

اس کا ترجمہ مرزا صاحب نے یوں کیا ہے: ”یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا۔ تب ہم ایمان لے آویں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک و برتر ہے کہ اس دار الالبلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھا دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں۔ کہ ایک آدمی۔“ ترجمہ کے بعد لکھا ہے کہ کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا۔ انہیں جواب صاف ملا کہ یہ عادت اللہ

کے خلاف ہے۔

ناظرین اس آخری آیت کے تحت میں مرزا صاحب نے اپنی تمام اندرونی چالاکیاں ختم کر دی ہیں۔ پہلے تو ایک آیت کے اول اور آخر کے الفاظ کو ملا کر اور بیچ کے الفاظ کو بالکل اڑا کر اس کو ایک مستقل آیت بنادیا اور پھر اس کے ترجمہ میں بہت کچھ کمی بیشی کی۔ مثلاً ہم کو معلوم نہیں ہوتا کہ ”تب ہم ایمان لے آویں گے“ کن الفاظ کا ترجمہ ہے۔ ناظرین جس آیت کو مرزا صاحب نے الفاظ بالا کے ساتھ لکھا ہے۔ وہ قرآن مجید میں ان الفاظ کے ساتھ ہے:

﴿أَوْتَرَقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ نُنَزِّلَ
عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا
بَشَرًا رَسُولًا﴾

اس سے ثابت ہوا کہ اَوْتَرَقَىٰ فِي السَّمَاءِ کے بعد اور قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي سے پہلے اس قدر الفاظ ﴿وَلَنُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ نُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُهُ﴾ مرزا صاحب نے دانستہ قلم انداز کر دیے اور اس طرح قرآن مجید کو بھی اپنی تحریف سے محروم نہ چھوڑا۔ پہلے تو احادیث کو ظنی وغیرہ کہہ کر قرآن مجید پر مدار ڈالا۔ اور جب قرآن مجید کو بھی اپنے مطالب کے مخالف پایا اور تاویل و تعقید سے بھی کام نہ چلا۔ تب الفاظ اور آیتوں کو بھی قلم انداز کرنا شروع کیا۔ اللہ اکبر اگر رب کریم نے اس کتاب مجید کی حفاظت کا خود ذمہ نہ فرمایا ہوتا اگر باری تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے اپنے کلام قدیم کو کروڑوں مسلمانوں کے دل و سینہ اور قلب و زبان پر نہ لکھ دیا ہوتا تو پیارے مسلمانوں تم دیکھتے کہ کتب سابقہ میں تو کیا تحریف ہوئی تھی جو ایسے شیر بہادروں کی بدولت قرآن مجید میں ہو جاتی۔ پاک ہے وہ رب العالمین جس نے وانا له لحفظون کہہ کر قرآن کی حفاظت خود فرمائی ہے۔

غرض پیارے ناظرین مرزا صاحب نے عمداً آیت کے الفاظ کو قلم انداز کر کے اور سلسلہ کلام کو توڑ کر پہلے تو کفار کے بیان کو پلٹ دیا۔ اور پھر اس جواب کو

جو دوسری درخواست کے متعلق تھا۔ پہلی درخواست سے متعلق کر کے ایک خیالی قانون قدرت کی مدد فرمائی اور غالباً دل میں بہت ہی خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے کیسی خوبی سے اپنے مذہب کو ثابت کر دیا۔ بزرگ مسلمانو! اب آیت شریفہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اس آیت کو سرے سے

﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا﴾ سے دیکھتے چلے آئیں۔ کفار نے یہ کہا تھا:

ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تو ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ بہا نہ نکالے۔

یا تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا ہو اور تو اس میں نہریں چلا کر بہا لے۔

یا ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے۔

یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن۔

یا ہو تیرے لیے ایک ستھرا گھر۔

یا تو چڑھ جائے آسمان پر اور ہم تو تیرے آسمان پر چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے۔

جب تک تو ہمارے لیے ایک نوشتہ نہ اتارے جس کو ہم سب پڑھ لیں۔

اے محمد ﷺ! تو کہہ دے سبحان اللہ میں تو ایک بشر اور رسول ہوں۔

اس تمام آیت سے پتہ ملتا ہے کہ کفار اپنی درخواست ہائے معجزہ میں کیا کچھ دیکھنے کی تمنا کرتے تھے۔ ان کی درخواستیں یا تو نبی کے درجہ رفیعہ سے بہت ہی گری ہوئی اور سفلی تھیں اور یا منصب نبوت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی اور عادت اللہ کے خلاف۔ ان کی سفلی اور گری ہوئی درخواستیں یہ تھیں:

۱- زمین سے چشمہ نکالنا۔

۲- کھجور اور انگوروں کا باغ۔ اس میں نہریں۔

۳۔ ستھرے گھر

ظاہر ہے کہ نہ ان کو معجزہ کہہ سکتے ہیں اور نہ ایسا کر دکھلانے سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ الہی طاقت کے سوا اور کوئی بشر ایسا کچھ دکھلا ہی نہیں سکتا۔ پس یہ درخواستیں تو یوں فضول ٹھہریں۔

عادت اللہ کے خلاف ان کی درخواستیں یہ تھیں:

۱۔ آسمان کو ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے۔

۲۔ خدا اور فرشتوں کو ضامن لے آ۔

پس آیت میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی ساری درخواستوں میں سے صرف ایک ہی ایسی درخواست تھی جو منظور کی جاتی یعنی ”آسمان پر چڑھنا۔“ لیکن چونکہ کفار اپنا کاذب اور رسول خدا ﷺ کا صادق ہونا اپنے دلوں میں جانتے تھیکہ جو معجزہ اس رسول سے چاہا جائے گا باذن الہی یہ ضرور دکھا دے گا لہذا یہ درخواست کرنے کے بعد کہ ”جب تک تو آسمان پر چڑھ کر ہم کو نہ دکھلائے۔“ ہم ایمان نہ لائیں گے، جھٹ اس اقرار اور اس شرط سے بھی منکر ہو گئے اور صاف کہہ اٹھے کہ ہم تو آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ہاں تب ایمان لائیں گے جب تو ہمارے نام کا نوشتہ بھی بارگاہ الہی سے لکھوا کر لے آئے اور ہم سب اس کو پڑھ بھی لیں۔

ناظرین کفار کی اس آخری اور شوخانہ استہزا کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے نبی ان کو سنا دے۔ میرا خدا اس سے پاک ہے کہ ہر ایک کے پاس کتاب الہی نازل کرے اور تمام مخلوق کو صاحب کتاب اور رسول بنا دے۔ پھر یہ بھی کہہ دے میں تو ایک بشر ہوں یا رسول یعنی بشر کسی پر کتاب الہی نازل نہیں کر سکتا اور رسول دوسرے کو رسول نہیں بنا سکتا۔

آیت کے الفاظ اور اس کے ترجمہ اور مطلب پر غور کرنے کے بعد ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی متدلہ آیات میں سے سب سے آخری

آیت کو جو عدم رفع برسماء کی دلیل قرار دیا تھا اور پھر اس کو وفات مسیح پر چسپاں کیا تھا وہ ان کے دعویٰ کی کتنی مبطل ہے۔ اللہ تعالیٰ تو کفار کا قول یوں نقل فرماتا ہے ”وَلَسَنُؤْمِنَنَّ لِرُقَيْتِكَ“ ہم آسمان پر تیرے چڑھ جانے سے ایمان نہ لائیں گے اور مرزا صاحب قول کفار میں یہ الفاظ ادا کرتے ہیں تو آسمان پر ہمیں چڑھ کے دکھا۔ تب ہم ایمان لے آویں گے“

اب مسلمان خود اندازہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں صادق ہے یا مرزا صاحب۔ دونوں سے صرف ایک صادق بن سکتا ہے اور چونکہ ہمارا اور مرزا صاحب کا بھی یہی مذہب ہے کہ رب العالمین سے بڑھ کر اصدق الحدیث کوئی نہیں ہو سکتا۔ لہذا اب مرزا صاحب سے امید ہے کہ وہ اپنے ان الفاظ پر کہ ”کفار نے آنحضرت ﷺ سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انہیں جواب صاف ملا کہ یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔“

پس جب قرآن مجید ہی ان کی وجہ استدلال کو پاش پاش کر رہا ہے تو پھر ان کی دلیل کیا رہی۔ مرزا صاحب! قرآن مجید کی وہ لمبی چوڑی تعریفیں جو آپ جا بجا لکھا کرتے ہیں کیا ان کا عملی ثبوت یہی ہے کہ مطلب و مفہوم کلام پاک ایک طرف آپ الفاظ قرآنی اور نظم کلام فرقانی میں بھی تصرف فرمایا کرتے ہیں۔ حیف حیف!!! ناظرین مرزا صاحب کی پیش کردہ آیات بروفات مسیح کے متعلق ان کی غلط فہمی کے اظہار کے بعد میں ایک بار پھر آپ کی توجہ ان آیات کی طرف منعطف کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ آیات نمبر ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۲۳، ۲۵ اور ۲۸ ایسی عام ہیں کہ جن سے کسی شخص کی بھی وفات بالفعل ثابت نہیں ہوتی۔ (خصوصیت سے حضرت مسیح کی وفات کا تو کیا ذکر) اور اگر الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کو مفید معنی اثبات وفات بالفعل کر لیا جائے۔ تو پھر ان کے اثر سے کوئی شخص بھی (کل بنی آدم میں سے جو ایک ارب کئی کروڑ سطح ارض پر موجود ہیں) زندہ نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ خود مستدل

صاحب بھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مرزا صاحب ان آیات کو مثبت معنی وفات بالفعل جانتے ہیں تو دلائل سے خود اپنی حیات بالفعل تو ثابت کر دکھائیں اور علمی طاقت سے جو مکتب قدس میں آپ نے حاصل کی ہے، کام لے کر ذرا بیان تو کریں کہ:

﴿أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ﴾، ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾، ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾، ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ﴾، ﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ﴾، ﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾، ﴿الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾، ﴿وَمَنْ نَعْمَرُهُ نُنْكِسُهُ﴾، ﴿وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى﴾، ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ﴾

ان آیات میں جس حصر نے حضرت مسیح علیہ السلام کو گھیر لیا ہے تو آپ اس حصر سے کیونکر باہر رہے۔ کیا آپ بھی اپنے آپ کو دست بردار اجل سے اچھوتے سمجھتے ہیں۔

آیات نمبر ۵، ۶ کا ایک ہی مضمون ہے۔ حتیٰ کہ مرزا صاحب نے دونوں کو ملا کر ایک قضیہ بنایا ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۱۲-۱۵-۲۴ کا ایک ہی مضمون ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۱۶، ۱۸ کا ایک ہی مضمون ہے۔

علیٰ ہذا آیات ۲۶، ۲۷ دونوں ہم مضمون ہیں۔

اس سے واضح ہوگا کہ مرزا صاحب کو صرف شمار آیات بڑھا لینا منظور ہے۔ ورنہ دراصل ان کے پاس وفات مسیح کی چند آیات بھی نہیں۔ آیات نمبر ۲۲ و ۲۹ ایسی عام ہیں، جن کا حیات یا ممات سے ذرا تعلق نہیں۔ اب رہ گئیں آیات نمبر ۲-۳۔ ۱۰-۱۱۔ یہ ایسی آیات ہیں جن میں کچھ نہ کچھ مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے پہلی آیت میں ایک وعدہ کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا۔ دوسری میں ایفاء وعدہ کا اظہار، تیسری میں قیامت کا بیان اور حضرت عیسیٰ کے ساتھ سوال و جواب کا ذکر،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

قریب المرگ ہو کر پھر بچ جائے اس کی نسبت یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ نئے سرے سے زندہ ہوا۔“ اور اس تسلیم کر لینے کے بعد ان کے تمام دعاوی دلیل و حجت سے ایسے برہنہ اور عاری ہو گئے۔ جیسے خزاں میں درخت۔ اور ان کی تمام ایچ پیج کی تقریریں ایسی ہی بے اعتبار ہو گئیں جیسے دیوالیے کی آڑھت۔ تاہم اتمام حجت کے لیے ہم مرزا صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ اپنے اس اقرار کو واپس لے لیں۔ اور بھولے بھٹکے سے جو الفاظ قلم سے نکل چکے، نیا نیا خیال کریں۔ اور پھر بھی اس آیت کے معنی کر کے دکھائیں۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں: **يَا عِيسَى ابْنِي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ** اول **يَا عِيسَى** پر غور فرمائیے۔ ظاہر ہے کہ **يَا عِيسَى** اور **يَا اَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ دوسری آیت میں صرف نفس مخاطب ہے جس میں بدن مشارک نہیں اور پہلی آیت میں عیسیٰ مخاطب ہے جس میں جسم اور روح دونوں شامل ہیں۔

دوم **اِنِّیْ مُتَوَفِّیکَ** پر تدبر فرمائیے۔ **تَوَفَّی** کے معنی قبض تام ہیں اور چونکہ یہ قبض تام عیسیٰ کے لیے ہے جس کے مفہوم میں روح اور جسم دونوں شامل تھے۔ لہذا توفی بجسده العنصری ثابت ہوا۔

سوم رَافِعُكَ اِلَیَّ پر تفکر کیجئے۔ رفع کے معنی بلند کرنا ہیں جس کی ضد وضع ہے۔ جو نیچے رکھ دینے کے معنی میں آتا ہے۔

ازالہ کے ص ۳۳۹ پر آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ رافعك کا تعلق متوفيك سے ہے۔ پھر ص ۳۳۹ پر مان لیا ہے کہ جو قبض کیا جاتا ہے وہی اٹھایا بھی جاتا ہے۔ لفظ عیسیٰ کے مفہوم اور توفی کے معنی نے حضرت مسیح کا بجسده العنصری قبض کیا جانا اور لفظ رفع کے معنی نے اسی جسم کے ساتھ آسمان پر جانا ثابت کر دیا۔ واللہ الحمد۔ یہ وہ معنی ہیں جن میں نہ لغت سے عدول ہوا، نہ عرف سے، نہ کہیں مرادی معنی لیے گئے، نہ مجازی ڈھکوسلا لگایا گیا۔ مرزا صاحب جو اس آیت کے معنی کرتے ہیں۔ وہ یا عیسیٰ کے لفظ پر تو کچھ غور کرنا ہی نہیں چاہتے۔ انی متوفیک میں توفی کے معنی

صرف قبض روح کرتے ہیں۔ مگر ہم حیران ہیں کہ توفی کے معنی صرف قبض روح کس لغت میں ہیں اگر براہ عنایت مرزا صاحب کی مستند کتاب لغت میں یہ الفاظ لکھے دکھادیں کہ توفی کے معنی صرف قبض روح اور جسم کو بیکار چھوڑ دینے کے ہیں تو وہ ایک ہزار روپیہ کا انعام پانے کے مستحق ہوں گے۔ اس رقم میں ”سراج منیر“ بخوبی چھپ سکتا ہے۔

وَرَأَيْتُكَ إِلَىٰ کے معنی وہ لغوی نہیں لیتے۔ بلکہ مرادی معنی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رَأَيْتُكَ إِلَىٰ سے قرب الہی مراد ہے۔ مسلمانوں کا اعتقاد ہے اور لغت ان کا شاہد ہے کہ رفع کسی جسم کے بلند کرنے، نیچے سے اٹھا کر اوپر لے جانے کو کہتے ہیں۔ وہ جسم خواہ محسوس ہو یا غیر محسوس۔ واضح ہو کہ جس طرح حضرت عیسیٰ کے محسوس جسم کے اٹھالینے پہ رب کریم نے اس لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔ اسی طرح رسول خدا نے بھی ایک محسوس جسم کے زمین سے اوپر اٹھائے جانے پر اسی لفظ کا استعمال فرمایا ہے۔

وقریش تسالنی عن مسرای ۱ فسالتنی عن اشیاء من بیت المقدس لم اثبتھا فکربت کربا ما کربت مثله فرفعه اللہ الی انظر الیہ ما یسألونی عن اشیاء الانباتھم۔
(مسلم عن ابی ہریرہ)

”آنحضرت فرماتے ہیں شب معراج کے بعد (جب آپ نے لوگوں سے اپنا بیت المقدس تشریف لے جانا اور وہاں سے افلاک پر جانا بیان فرمایا) قریش میرے اس سفر کے متعلق سوال کرنے لگے انہوں نے بیت المقدس کے متعلق چند ایسی

☆ حاشیہ: ۱ مسرای کا لفظ غور طلب ہے کہ اس سے معراج جسمانی ثابت ہوتا ہے (جو جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے) یا کشفی منام والا جو مرزا صاحب کا مذہب ہے۔ پھر دیکھنا چاہیے کہ اگر آنحضرت نے اپنا خواب یا کشف بیان کیا ہوتا تو کفار کو اس سے سخت انکار کرنے اور امتحان کی غرض سے مختلف سوالات پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ خواب میں کسی دور دراز مکان کا دیکھ لینا کچھ بھی مستبعد نہیں۔ علیٰ ہذا خواب میں مرئیات کو واقع کے مطابق دیکھنا بھی محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

چیزیں دریافت کیں۔ جن کا میں نے دھیان نہ رکھا تھا مجھے اس وقت نہایت ہی شاق گزرا (کیوں کہ جواب نہ دینے سے کفار کو احتمال کذب کا یا راتھا) رب کریم نے میرے لیے بیت المقدس کو اٹھا کر بلند کر دیا کہ میں اسے بخوبی دیکھتا تھا پھر قریش نے جو کچھ مجھ سے پوچھا میں نے جواب دے دیا۔“

جناب مرزا صاحب رفعہ اللہ لی پر کم سے کم تین بار غور فرمائیں۔

رفع کے جو معنی ورافعك الی میں ہم نے کئے ہیں۔ اسی کا مرید ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ کا منطوق ہے کیونکہ مرزا صاحب نے جب متوفیک میں صرف قبض روح کے معنی لئے تو رافعک میں معزز موت مراد لی۔ ان دنوں ففلوں کا مرجع بہر حال عیسیٰ ہیں مگر جب وہ ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ کے معنی کرتے ہیں تو ان کے بیان میں لغزش آ جاتی ہے کیونکہ مَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ کی ضمیر کا مرجع جسم اور روح دونوں ہیں جس کو مرزا صاحب بھی مانتے ہیں لیکن ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ میں آکر وہ ضمیر کا مرجع صرف روح کو قرار دے بیٹھے ہیں جس کے واسطے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ تو کلام میں نہایت بھونڈی اور بدنما تعقید ہے جس کا وجود کسی فصیح انسان کے کلام میں بھی نہیں ملتا چہ جائے کہ ایسے معجز کلام الہی میں ہو۔ اس وقت مرزا صاحب کو اپنے وہ الفاظ جو تو ضیح میں لکھے ہیں، یاد کرنے چاہئیں۔ ”خوبصورت اور دلچسپ طریقے تفسیر کے وہ ہوتے ہیں جن میں متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت اور اس کے روحانی ارادوں کا خیال بھی رہے۔ نہ یہ کہ غایت درجہ کے سفلے اور بدنما اور بے طرح موئے معنی جو جو بیچ کے حکم میں ہوں، اپنی طرف سے گھڑے جائیں اور خدائے تعالیٰ کے پاک کلام کو جو پاک اور نازک و دقیق پر

بقیہ ☆ حاشیہ: ضروری نہیں۔ کفار کے سوال اور ان کے اعتراض سے رسول کریم کی گھبراہٹ اور اللہ تعالیٰ کا اس گھبراہٹ کو دور فرماتا تو جب ہی ٹھیک ہوتا ہے جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرت نے اپنے معراج کو جسمانی بتلایا تھا اور آپ کے الفاظ سے صحابہ اور مشرکین نے یہی سمجھا تھا۔ فقط۔

مشتمل ہے، صرف دہقانی لفظوں تک محدود خیال کیا جائے۔“ اب مرزا صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ متکلم کی اعلیٰ شان بلاغت کا خیال نہ کر کے غایت درجہ کے سفلی بدعنا اور بے طرح موئے معنی آپ کرتے ہیں، یا ہم۔ ایسے معنی کہ اس میں ضمائر بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی ہیں۔

مرزا صاحب نے ازالہ کے خاتمہ پر پھر آیت: ﴿يَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قُمْ فَاَنْتَ وَارْتَفِعْكَ اِلَىٰ مُطَهَّرِكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ کو لکھا ہے (ازالہ ۹۲)

اور بیان کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ترتیب وار چار فعل بیان کر کے اپنے تئیں ان کا فاعل بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے اور آیت کے جو معنی ہم نے لکھے ہیں اس میں بھی ترتیب ان فعلوں کی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ البتہ ترتیب توڑنے کا جو الزام بڑے زور و شور سے انہوں نے قائم کیا ہے اور ترتیب توڑنے والوں کو پیٹ بھر گالیاں دی ہیں وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ وہی ابن عباس جن کا مذہب امام بخاری نے متوفیک بمعنی ممیتک بیان کیا ہے۔ اور وہی ابن عباس جن کا مذہب ازالہ ۸۹۲ پر آپ نے اپنے لیے سند سمجھا ہے۔ بڑی حیف کی بات ہے کہ حضرت ابن عباس کے مقولہ کا آدھا حصہ تو آپ قبول کرتے ہیں اور آدھا قبول نہیں کرتے۔ ایمان بعض اور کفر بعض کی اگر کوئی اور مثال ہے تو فرمائیں۔

☆ حاشیہ: ۱: مرزا صاحب کے نزدیک قرآن مجید کے الفاظ کے دہقانی ہونے میں تو شک ہی نہیں۔ ہاں وہ چاہتے ہیں کہ معانی میں بلاغت اور نزاکت ہو۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ تفسیر کے لیے روحانی ارادوں کا خیال کرنا مرزا صاحب نے ضروری ٹھہرایا ہے مگر الفاظ کی موافقت اس تفسیر کے لیے ضروری نہیں بتلائی۔ تاکہ ہر شخص آزادی سے جو چاہے وہ آیات کی تفسیر کرے اور جب اس پر اعتراضات وارد ہوں تب کہہ دے کہ متکلم کے روحانی ارادہ میں یہی معنی ہیں گو تم الفاظ سے یہ معنی سمجھ نہ سکو۔ فقط۔

مسیح موعود

یہ وہ مضمون ہے جس پر مرزا صاحب کی تمام کامیابی کا انحصار ہے۔ مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے پر جو ثبوت اور علامات بیان کی ہیں، میں ان کو مع اپنی ضروری معروضات کے تحت میں درج کرتا ہوں۔

مرزا صاحب نے اس مضمون کو ازالہ صفحہ ۶۵۲ سے شروع کیا ہے۔ آغاز مضمون میں لکھتے ہیں: ”اب ثبوت اس بات کا کہ وہ مسیح موعود جس کے آنے کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے یہ عاجز ہی ہے ان تمام دلائل اور علامات اور قرائن سے جو ذیل میں لکھتا ہوں ہر ایک طالب حق پر بخوبی کھل جائے گا۔“

از انجملہ الآیات بعد الماتین حدیث میں آیا ہے۔ الآیات سے آیات کبریٰ مراد ہیں جو تیرہویں صدی میں ظہور پذیر ہوں گی۔ چنانچہ اس وقت میں نے ہی دعویٰ کیا ہے۔“ ناظرین حدیث کا ترجمہ تو یہ ہے کہ نشانیاں دو صدیوں کے بعد ہیں۔ مرزا صاحب نے یہ حدیث لکھ کر پھر اس سے تیرہویں صدی مراد لی ہے اس کے لیے انہوں نے دو قرینے قائم کیے ہیں۔ اول یہ کہ الآیات سے مراد آیات کبریٰ ہیں۔ کیونکہ آیات صغریٰ تو نبی ﷺ کے وقت مبارکہ ہی سے ظاہر ہونی شروع ہو گئی تھیں۔ دوم علماء کا اتفاق۔“ میں کہتا ہوں کہ الآیات سے کبریٰ ہی مراد لیں۔ تب بھی حدیث کے یہی معنی ہیں کہ دوسری صدی کے بعد آیات کا ظہور ہوگا کیوں کہ بقول مرزا صاحب آیات صغریٰ تو خیر القرون ہی میں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ پس نبی ﷺ کا دو صدیوں کے بعد فرمانا اور آیات صغریٰ سے جو اس وقت بھی ظاہر ہو رہی تھیں، قطع نظر فرمانا صاف دلیل اس پر ہے مرزا صاحب کا یہ کہنا بھی کہ علماء کا اتفاق اس حدیث کے معنی میں تیرہویں صدی پر ہوا ہے، یہ دو طرح سے غلط ہے۔ اول یہ کہ ان کے نزدیک اتفاق علماء کوئی شے نہیں یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب معنی آیات حیات مسیح میں

کل مفسرین کے اور معنی احادیث نزول مسیح میں کل محدثین کے اور اصول تنقید احادیث میں تمام فقہاء و مجتہدین کے اور الہام و کشف کو دلیل شرعی قرار دینے میں جمع صوفیہ کرام و سالکین کے سخت مخالف اور معاندین ہیں اور اسی لیے آپ نے نہایت جوش میں آکر یہ تحریر کیا ہے: ”امت کے کورانہ اتفاق یا اجماع کیا چیز ہے۔ (ازالہ ص ۱۴۲) پس جس شخص کے نزدیک تمام امت کے اتفاق اور اجماع کا نام بھی کورانہ ہے وہ اتفاق علماء کو ایک حدیث کے معنی میں کیا دلیل بنا سکتا ہے۔ دوم یہ کہ علماء کا اتفاق ہونا بھی اس معنی پر غلط ہے امام جعفر صادق کا یہی مذہب ہے کہ اس حدیث کی رو سے آیات کبریٰ دو صدیوں کے بعد شروع ہو جائیں گے۔ صاحب اشاعہ نے اسی کورانج بیان کیا ہے۔ نبی ﷺ کی دوسری حدیثیں بھی اسی بیان کی تائید کرتی ہیں ”خیارکم بعد الماتین کل خفیف الحاذ۔ دوم: لا یولد الماتین مولود للہ فیہ حاجتہ اور قرون مشہود لہا بالخیر“ بھی اسی حدیث کی تائید میں ہیں۔ جو تیسری صدی کے آغاز میں ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر تاریخ اسلام اس زبردست پیش گوئی کی شہادت ادا کر رہی ہے کہ تیسری صدی سے کیسی کیسی علامات ظہور پذیر ہونے لگیں جن میں سے ایک ایک نے اہل عالم کے دل کو ہلادیا اور موت و قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے دکھلادیا۔ قتل و زلازل کی کثرت ہوئی طاعون و وبا آئی ملک کے ملک صاف کر گئی۔ ایک ایک ظالم کے ہاتھ سے ڈیڑھ ڈیڑھ کروڑ مسلمانوں کا خون ہوا۔ حسف ہوئے۔ مسخ ہوئے۔ باطنیہ نے حج بیت اللہ بند کر دیا۔ حجر اسود کو کعبہ سے اکھاڑ کر لے گئے۔ قحط ایسے ایسے ہوئے کہ قحط یوسف کا نمونہ نظر آ گیا۔ دین کے برباد کرنے کو قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ پیدا ہوئے۔ ایک ایک مسئلہ کے اختلاف پر ہزاروں عالمان دین تہ تیغ کئے گئے۔ امام اہل سنت والجماعت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے پابزنجیر مدتوں اسیر رہے۔ بیسیوں نے نبوت کے دعاوی کیے۔ بیسیوں نے مثیلت کا نفاہ بجایا۔ کوئی مثیل نوح صاحب کشتی کہلایا۔ کوئی مسیح ابن مریم موعود کے مثیل ہونے کا دعویدار ہوا۔ کسی نے ابراہیم، کسی نے جبریل، کسی نے سیدہ فاطمہ بی بی، کسی نے علی مرتضیٰ کی روحانیت کا اپنے اندر ہونا مشہور کیا۔ غرض وہ تمام آثار

وامارات اور نشان وعلامات جن کو آیات قیامت احادیث میں بیان کیا گیا تھا، سب کے سب بڑے زور کے ساتھ تیسری صدی ہی میں ظاہر ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس چودھویں صدی میں جو کچھ ان فتن کے نمونے نظر آتے ہیں ان سب کی جڑ تیسری صدی کی سرزمین میں لگی ہوئی ہے اور ان تمام شواہد سے اب ہم بخوبی جانتے اور کامل یقین رکھتے ہیں کہ حدیث میں الآیات بعد الماتین سے دو صدیاں ختم ہو کر تیسری صدی ہی کا پتہ دیا گیا ہے۔ اگر ہم بالفرض تسلیم کر لیں کہ اس سے تیرہویں صدی مراد ہے تو پھر بھی مرزا صاحب کے لیے یہ حدیث کچھ مفید نہیں۔ کیوں کہ الہام نے عہدہ مسیحائی پر ان کو چودھویں صدی میں ممتاز کیا ہے اور تیرہویں صدی میں خود مرزا صاحب بھی عامہ مومنین کی طرح یہی مذہب اور اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بہ نفس نفیس جلائی طور پر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ پس اگر یہ جائز ہے کہ الآیات بعد الماتین کی حدیث کو تیرہویں صدی کے متعلق کہہ سکیں تو یہ بھی جائز ہے کہ اس حدیث کو تیسویں صدی کے متعلق بتا سکیں کیوں کہ جس طرح تیسری صدی کو خالی دیکھ کر کسی نے یہ گمان کیا تھا کہ مأتین کا تعلق ہزار کے ساتھ ہے اور بیچ کی صدیوں سے بالکل قطع نظر کر لی تھی اس طرح تیرہویں صدی کو خالی دیکھ کر ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ مأتین کا تعلق الضین سے ہوگا۔ اس حدیث میں نہ تیرہویں صدی کی تخصیص ہے اور نہ مرزا صاحب کے مسیح موعود ہونے کی تخصیص۔ اچھا زیادہ سے زیادہ مرزا صاحب نے اگر تاویلات و تسویلات نفسانی سے کام لیا اور بڑے زور لگا کر یہ معنی پیدا کر لئے کہ حدیث کا تعلق تیرہویں صدی سے ہے اور حدیث کے معنی ہی یہ ہیں کہ آیات کبریٰ کا آغاز تیرہویں صدی سے ہو۔ پھر بھی حدیث میں یہ

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین اول امت کے لفظ پر غور فرمائیں جو صحابہ سے لے کر تا ایدم تمام مسلمانوں پر حاوی و شامل ہے پھر تمام امت کے اتفاق اور اجماع کو کورانہ کہنے پر خیال کرو۔ کس طرح پر سب مسلمانوں کو بے بھر اور درواز بصیرت بتلایا ہے۔ حالانکہ حدیث مسلم میں یہ ہے کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہو سکتا۔ رب کریم نے بھی غیر سمیل المومنین کہہ کر اس اجماع کی تصدیق فرمادی۔ یاد رکھو المومنین میں الف لام استغراق ہے۔ (۱۲)

دلالت کہاں ہے کہ مسیح موعود اسی صدی میں آئے گا۔ یا کل آیات کبریٰ ایک ہی صدی میں عدم و بطون سے نکل کر بروز و ظہور میں آجائیں گے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں، کہ مرزا صاحب جو اپنے آپ کو مسیح موعود ثابت کرنے لگے ہیں۔ ان کے پاس کیسے کیسے دلائل قاطعہ ہیں۔ اور کیسے کیسے براہین ساطعہ ہیں، جو ان نصوص شرعیہ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جن میں مسیح ابن مریم علیہ السلام کے نزول کی اخبار صحیحہ و امارات صادقہ ظاہر کی گئی ہیں۔ ولنعم ما قیل۔

چہ عذر ہائے موجہ زہر خود گفتی بخش لعاب دہانت کہ قندے خانی
تمام عرصہ محشر مگس فرد گیرد اگر چنین بقیامت شکر فروش آئی

(۲) مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود ہونے کی دوسری دلیل مکاشفات اکابر اولیا کو بتلایا ہے کہ یہ بزرگ بالاتفاق ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح موعود کا ظہور چودھویں صدی سے پہلے یا چودھویں کے سر پر ہوگا۔ پھر لکھا ہے کہ اس وقت میں بجز اس عاجز کے اور کوئی دعویدار اس منصب کا نہیں ہوا۔ (ازالہ ص ۶۸۵)

ناظرین مرزا صاحب کی اس دلیل میں چند ضعف ہیں:

۱- مکاشفہ کو دلیل ٹھہرانا خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ حدیث اس کی مخالف ہو۔ چودھویں صدی کے خلاف حدیث میں کئی طرح پر آیا ہے: اول بعد المائتین کی حدیث ہی پر غور فرمائیے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان اکابر کا یہ کشف صاف اور تام نہیں۔ کیوں کہ وہ خود چودھویں صدی پر جزم نہیں کر سکے۔ ان کے کلام میں حرف یا موجود ہے۔ جو شک کے موقع پر بولا جاتا ہے پس جب خود ان کے نزدیک اس پر جزم صحیح نہیں تو مرزا صاحب کو اس پر جزم و حصر کرنا کب درست دروا ہے۔

۲- جن اکابر اولیا کے مکاشفات کو دلیل ٹھہرایا ہے ان کا نام تک نہیں لکھا۔ لازم تو یہ تھا کہ آپ ان کی اصل عبارتیں نقل کرتے اور اکابر کے اسمائے گرامی سے اطلاع دیتے۔ لیکن مرزا صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے حوالہ اور نقل کا بھی میں تو بہت کم اعتبار رکھتا ہوں کیوں کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ نے

کئی جگہ آیات قرآنیہ میں سے کئی جملے اور احادیث میں سے کئی فقرے اور بائبل میں سے کئی درس قلم انداز کر دیے ہیں۔ جب یہ حال ہے تو مجرد یہ کہنے سے کہ اکابر اولیا یوں کہتے ہیں، کب اعتبار ہو سکتا ہے۔

۳۔ محض دعویٰ کو دلیل بنایا ہے۔ یعنی چونکہ اس وقت میں نے دعویٰ کیا ہے لہذا میں سچا ہوں۔ حالانکہ کوئی بد معاش اور عیار سے عیار بھی کوئی ایسی کارروائی زور و فریب کی نہیں کرتا۔ جب تک اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجہ نہ ہو کہ یہ کارروائی اس کی بر محل اور بروقت سمجھی جائے گی۔

۴۔ چہارم ناظرین دیکھیں۔ یہ دوسری دلیل بھی وہی ہے۔ جو پہلی دلیل تھی۔ پہلی دلیل میں بھی علماء کے اتفاق اور اپنے اظہار دعویٰ کو دلیل ٹھہرایا تھا اور دوسری میں بھی اولیاء کے اتفاق اور اپنے دعویٰ کو دلیل ٹھہرایا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب شمار دلائل کے زیادہ کرنے کی فکر میں ہیں۔

(۳) تیسری دلیل مرزا صاحب کی یہ ہے۔ ”از انجملہ مسیح موعود ہونے کی یہ علامت ہے کہ دجال اور اس کا گدھاریل خروج کر چکا، یا جوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان ظاہر ہو چکے۔ ایسے وقت میں مسیح موعود کا دعویٰ اس عاجز نے کیا ہے۔“ مرزا صاحب سے یہ امر دریافت کر لینا چاہیے کہ دجال اور اس کے گدھے، یا جوج ماجوج، دابۃ الارض، دخان اور مسیح موعود میں کوئی تلازم اور ان کے ظہور میں کوئی ترتیب ہے یا نہیں۔ کیوں کہ جس طرح پر انہوں نے یہ تمام نام احادیث سے لیے ہیں۔ (گو ان کی نوعیت اور ماہیت و کیفیت میں اختلاف کیا ہے) اسی طرح ان کو احادیث کی بیان کردہ ترتیب اور تلازم پر بھی خیال رکھنا چاہیے تھا۔

دجال ان کی رائے میں پادری ہیں۔ پادری لوگ تو شیوع اسلام سے چھ سو برس پہلے سے چلے آتے ہیں اور اب تیرہ صدیوں سے برابر اسلام کے ساتھ معاندانہ مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔ سپین، غرناطہ، شام میں ان پادریوں کی طفیل جو تیغ بے دریغ لاکھوں مسلمانوں کی گردن پر چل چکی ہے، وہ ارباب تواریخ سے مخفی نہیں

مگر تعجب ہے کہ اس ضرورت شدید کے وقت میں بھی مسیح نہ آیا۔ شاید یہ عذر تھا کہ ہنوز اس دجال کے پاس گدھا موجود نہیں۔ خیر صدیاں گزر گئیں کہ اس کا گدھا بھی چل نکلا مگر مسیح اس وقت بھی نہ آیا۔

یاجوج ماجوج آپ کی رائے میں روس و انگریز ہیں۔ یہ دونوں سلطنتیں ہزاروں برس سے قائم ہیں۔ اور چند صدیوں سے ان کا درجہ دنیا کی اول درجہ کی سلطنتوں میں شمار ہوتا ہے اور ان کی سطوت اور غلبہ قائم ہونے کے زمانہ کو بھی سینکڑوں سال ہو چکے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ اس وقت بھی مسیح نہ نکلا۔

علماء اسلام کو آپ دابۃ الارض کہتے ہیں۔ یہ دابۃ الارض تو عہد نبوی ہی سے موجود ہیں۔ غرض دابۃ الارض کو نکلے ہوئے صدی گزرتی گئی اور مسیح کا ظہور ہونے میں نہ آیا۔

دخان کی تعبیر آپ نے قسط شدید سے کی ہے۔ یہ بھی عہد نبوی سے لاحق حال مملکت اسلام و غیر اسلام رہا ہے اور بایں ہمہ مسیح نے اس ممتد زمانہ میں منہ نہیں دکھلایا۔ مسیح موعود نے ظہور پکڑا بھی تو کب جب ان تمام امارات نے جن کا مسیح کے بعد آنے کا بھی ذکر تھا۔ سینکڑوں سال سے دنیا کو تباہ ویران کر رکھا ہے۔ جناب مرزا صاحب آپ کی یہ بیان کردہ تاویلات ہی بتلا رہی ہیں کہ آپ مسیح موعود نہیں ہیں۔ اگر مسیح موعود ہوتے تو ضرور تھا کہ دجال کے بعد اور یاجوج ماجوج دابۃ الارض سے پہلے تشریف لاتے۔ اگر آپ کو اصرار ہے کہ مسیح موعود ضرور ہیں تو آپ کی تاویلات دابۃ الارض یاجوج ماجوج وغیرہ صحیح نہیں اور جب یہ صحیح نہیں تو اس کا نتیجہ بھی یہی ہے کہ آپ مسیح نہیں ہیں۔

(۴) مرزا صاحب کی چوتھی دلیل یہ ہے۔ ”اس عاجز کے مسیح موعود ہونے کی علامت یہ ہے کہ مسیح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چوداں سو برس بعد یہودیوں کی اصلاح کے لیے آیا۔ جب تو ریت کا مغز اور بطن یہودیوں سے اٹھایا گیا تھا۔ علیٰ ہذا ایسے ہی زمانہ میں یہ عاجز آیا۔“

مرزا صاحب کی اس دلیل میں بھی غلطیاں ہیں:

۱- مسیح حضرت موسیٰ سے چوداں سو برس بعد نہیں بلکہ سولہ سو برس بعد آئے تھے۔ بائبل دیکھ لو۔ اور ازالہ ص ۲۷۸ پر اپنا اقرار ملاحظہ کر لو کہ حضرت محمد مصطفیٰ حضرت موسیٰ سے بائیس صدیوں کے بعد ہوئے۔ سنہ عیسوی و ہجری جن میں غلطی کا ہونا محال ہے، گواہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ مسیح سے ۵۷۰ برس بعد ہوئے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ حضرت مسیح حضرت موسیٰ سے ۱۶ صدیوں کے بعد ہوئے۔

۲- بالفرض مسیح ۱۴ صدیوں کے بعد آئے تھے۔ تب بھی توافق زمانہ نہ رہا کیوں کہ مرزا صاحب اپنے سال پیدائش کے لحاظ سے تو بارہ صدیوں کے بعد اور سال دعویٰ کے اعتبار سے کامل تیرہ صدیوں کے بعد مسیح ہوئے ہیں۔ بہر حال اگر یہ قاعدہ مان لیا جائے کہ جس قدر عرصہ کے بعد حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح ہوئے تھے، اسی قدر عرصہ کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے مثیل مسیح ہو۔ تب بھی تاریخ کی رو سے مسیح موعود کے آنے میں خواہ وہ اصل ہوں، ہمارے مذہب کے موافق یا مثیل مرزا جی کے موافق ۳ صدیاں اور آپ کے منہ مانی مدت کی رو سے پوری ایک صدی باقی ہے۔

غرض اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ دلیل بھی غلط ہے اور مرزا صاحب مسیح موعود نہیں۔

(۵) مرزا صاحب کی پانچویں دلیل یہ ہے۔ ”از انجملہ یہ ضرور تھا کہ آنے والا ابن مریم الف ششم کے آخر میں پیدا ہوتا۔ سو وہ یہی عاجز ہے۔“ ناظرین اس بیان میں بھی چند مغالطے اور غلطیاں ہیں:

مغالطہ یہ ہے کہ آنے والے ابن مریم کے لیے پیدا ہونے کا لفظ استعمال کیا تا سمجھا جائے کہ وہ آسمان سے اترنے والا نہ ہوگا اور لوگ دھوکے میں پڑ جائیں کہ مسیح کی پیدائش کا احادیث میں ذکر صریح ہے۔

اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کا الف ششم میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ مرزا

صاحب کے کلام میں تو ملتا نہیں ان کے سینہ میں ہو تو ہو۔

اپنے آپ کو آدم اور ابن مریم آخر الخلفاء بنانے میں براہین احمدیہ کے جو حوالے مرزا صاحب نے دیے ہیں وہ بے سود ہیں کیوں کہ نزول مسیح علیہ السلام کے بارہ میں جو کچھ انہوں نے براہین میں تسلیم کیا تھا۔ اب وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے اور جائز رکھتے ہیں کہ براہین کا اتنا حصہ غلط اور پرانے خیالات کا فوٹو تسلیم کر لیا جائے۔ لہذا اب ان کا کیا حق ہے کہ اسی کتاب کے دوسرے حصہ کو بطور نص قطعی کے پیش کریں۔ اور اسے مان بھی لیا جائے ماسوا اس کے یہ حوالے جو مرزا صاحب نے دیے ہیں بالکل بے سود ہیں۔ الہام کے مضمون میں ہم ظاہر کر آئے ہیں کہ یہ جو الہام موافق شرع ہو وہ مفید ظن ہے۔ ورنہ مفید ظن بھی نہیں۔

(۶) مرزا صاحب کی چھٹی دلیل از انجملہ نزول مسیح کی یہ علامت لکھی ہے کہ دو فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھے ہوئے ہوگا۔ یہ اس امر کا اشارہ ہے کہ اس کا دایاں اور بائیں ہاتھ جو تحصیل علوم عقلی اور انوار باطنی کا ذریعہ ہے، آسمانی موکلوں کے سہارے پر ہوگا اور وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی پائے گا اور اس کی ضروریات زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا (ازالہ ص ۶۹۷) اسی لیے خدا نے نام متوکل رکھا ہے۔“

ناظرین واضح ہو کہ اس بیان میں بھی بہت غلطیاں ہیں:

۱۔ فرشتوں کے پروں پر اپنی ہتھیلیاں رکھی ہوئی ہوں گی، مرزا صاحب نے رکھی ہوئی ہوں گی، سے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ مدت العمران کی ہتھیلیاں فرشتوں کے پروں پر رکھی رہیں گی۔ چونکہ یہ طرز بیان قابل تاویل بن گیا تھا۔ لہذا آگے چل کر اس کی تاویل کر دی۔ لیکن حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

”فینزل عند المنارة البيضاء شرقی دمشق بین مہزودتین“

واضعاً کفہ علی اجنحة ملکین“

”حضرت عیسیٰ شہر دمشق کے شرق میں سفید منارہ کے پاس زرد لباس پہنے

دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھ کر نازل ہوں گے۔“

ان کی تاویل کرنے کی حاجت نہیں۔ ماسوا اس کے تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہ الفاظ جن کی تاویل کر کے اس کے مصداق مرزا صاحب خود بنتے ہیں، صحیح مسلم کی حدیث عن نواس ابن سمعان کے ہیں۔ اور اس حدیث کی نسبت مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ اس کے مضامین عقل، شرع اور توحید کے خلاف ہیں۔ جب ان کا اس حدیث کی نسبت یہ اعتقاد ہے تو پھر اسی حدیث میں سے اپنی تائید کے الفاظ نکالنا اور اسے دلیل ششم بتانا کیا عقل، شرع، توحید کے خلاف نہ ہوگا؟؟؟

۲۔ وہ مکتب اور کتابوں اور مشائخ سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے علم لدنی پائے گا۔“
ازالہ کے ۸۱۷ صفحہ پر مرزا صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ فضل احمد صاحب کے شاگرد ہیں اور مولوی مبارک علی صاحب مرزا صاحب کے استاد زادہ۔ اسی طرح اور بیسیوں استاد ہیں جن سے مرزا صاحب نے پڑھا اور علم حاصل کیا ہے۔ اندریں صورت مرزا صاحب اپنی نسبت کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کسی کے شاگرد نہیں۔ ناظرین درحقیقت اس عبارت سے مرزا صاحب کا مقصود یہ ہے کہ نبی امی کا شرف خاص بھی اپنے اندر ثابت کریں۔ اور علمنی ربی فاحسن تادیبی کے مصداق اپنے آپ کو بھی ٹھہرا دیں لیکن ان کا یہ دعویٰ خود ان کے اقرار مندرجہ ازالہ ص ۸۱۷ سے غلط ہو گیا۔

۳۔ اور اس کی ضروریات زندگی کا بھی خدا ہی متولی اور متکفل ہوگا۔“

رب کریم تو کل مخلوق کی ضروریات زندگی ہی کا متکفل اور متولی ہے۔ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے ﴿وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ﴾۔ فرماتا ہے ﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ پھر مرزا صاحب کی خصوصیت کیا ہے۔ ہاں اگر وہ فرمائیں کہ لوگوں کو اسباب کے ذریعہ ملتا ہے اور ان کو بلا واسطہ اسباب۔ تو یہ بھی غلط ہے وہ زمینداری کا علاقہ جس نے حارث حراث آپ کو بنا دیا ہے اور نسل در نسل مغلیہ عہد سے خاندان میں چلا آیا ہے، کتنا بڑا سبب ہے۔ تصانیف کی آمدنی اور احباب کی

فتوح علاوہ براں۔ اب رہا متوکل نام ہونا۔ چندہ کے لیے ان کی بار بار درخواستوں اور التجاؤں نے توکل کی نفی ثابت کر دی ہے۔

(۷) مرزا صاحب کی ساتویں دلیل از انجملہ علامت مسیح یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مخالف اور منکر کسی بات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ کیوں کہ اس کی کاملہ دلائل کے سامنے مرجائیں گے۔ سو عنقریب لوگ دیکھیں گے کہ حقیقت میں حجت اور دلیل اور پینہ کی رو سے مر گئے۔ (ازالہ ص ۶۹۹)

ناظرین اس بیان میں بھی چند غلطیاں ہیں:

۱۔ علامت مسیح یہ لکھی ہے کہ اس کے دم سے کافر مرے گا۔ مرزا صاحب یہ تو فرمائیں کہ یہ علامت کہاں لکھی ہے۔ کیا مسلم کی حدیث عن نواس بن سمعان میں؟ جس کے مضمون کو آپ نے شرک اور حماقت سے پر بتایا ہے۔ پھر اس حدیث سے استدلال مرزا صاحب کے لیے کیا ہوگا؟ وہ خود ہی فیصلہ دیں۔

۲۔ مرزا صاحب کو اقرار ہے کہ اب تک تو ان کے دلائل سے کچھ کام نہیں نکلا۔ ہاں عنقریب ایسا ہو جائے گا۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ صفت ذاتی اپنے موصوف سے جدا نہیں ہو سکتی۔ آپ مسیح بن کر تو آ گئے لیکن ہنوز مسیح موعود کی صفات سے رنگین نہیں ہوئے۔

(۸) مرزا صاحب کی آٹھویں دلیل۔ از انجملہ علامت مسیح موعود یہ ہے۔ ”جب آئے گا لوگوں کے عقائد اور خیالات کی غلطیاں نکالے گا۔“ مرزا صاحب آپ کے صدق اور کذب دعویٰ کا اسی پر امتحان ہے کہ آپ کسی حدیث سے یا آیت قرآنی سے یہ نکال کر دکھائیں کہ مسیح علیہ السلام مسلمانوں کے عقائد میں بھی غلطیاں نکالے گا۔ اگر آپ یہ الفاظ دکھلا دیں۔ تو آپ کے سچے ہونے میں کیا کلام ہے ورنہ خدا سے ڈریں۔ دل سے باتیں بنا بنا کر اتباع نفس و ہوا کیوں کرتے ہو؟

اسی بیان میں مرزا صاحب نے دو غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ جو مسلمانوں کے

عقاید سے نکال دی ہیں۔

۱۔ ”لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح ابن مریم بنی ناصری جو فوت ہو چکا ہے پھر دوبارہ دنیا میں آئے گا۔ سو پہلے یہی غلطی ان کی دور کردی گئی اور ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں میں سے مسیح کی موت کے قائل تھے یا عیسائیوں میں سے یونی ٹیرکین فرقہ جو اسی بات کا قائل ہے کہ مسیح مرگیا اور دنیا میں نہ آئے گا۔“ (۲۰۰) اس بیان میں مرزا صاحب نے چند مغالطے دیے ہیں۔ اول یہ لکھ کر کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ وہی مسیح آئے گا جو بنی ناصری ہے جو فوت ہو چکا ہے۔ بیشک مسلمانوں کا یہی اعتقاد ہے کہ مسیح بنی ناصری ہی آئے گا مگر آپ نے الفاظ جو فوت ہو چکا ہے۔“ کو مسلمانوں کے اعتقاد سے منسوب کرنے میں پچھلے مسلمانوں پر افترا کیا اور حالیہ کو مغالطہ دیا۔

دوم یہ لکھ کر کہ ان لوگوں کو سچا ٹھہرایا گیا۔ جو مسلمانوں میں سے موت مسیح کے قائل تھے۔“ مرزا صاحب نے صاف مغالطہ دیا۔ ورنہ براہ مہربانی وہ طبقہ بعد طبقہ دس دس مسلمانوں کے نام تو لیں جو وفات مسیح کے قائل تھے۔ دس نہیں تو پانچ ہی سہی ﴿وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا﴾

مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں یا شاید کسی دوسری کتاب میں ایک پادری کے جواب میں کیا خوب تحریر فرمایا ہے۔ پادری کا اعتراض یہ تھا کہ جب شریعت توریت لاپچی اور فضل انجیل عنایت کر چکی تھی تو نبوت محمد ﷺ کی کیا ضرورت رہ گئی۔“

مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا: عیسائیوں کا یہ منہ نہیں کہ ہم پر یہ اعتراض کر سکیں۔ کیا یہودیوں نے مسیح کو تسلیم کیا۔ کیا مریم صدیقہ کی نسبت بہتان لگانے سے وہ باز آئے۔ کیا وہ قائل نہ تھے کہ انجیل آسمانی کتاب نہیں۔ کیا وہ بڑے دعوے سے نہ کہتے تھے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا ہے۔ کیا وہ پُر زور لفظوں میں نہ کہتے تھے کہ مسیح دوبارہ نہیں آسکتا۔“ عیسائی سب کچھ سنتے تھے۔ مگر یہودی کے حملوں کا کچھ جواب نہ

دے سکتے تھے۔ سیدنا محمد ﷺ نے عیسائیوں کو یہود کے ان حملوں سے بچایا۔ حضرت مسیح کے رسول اور کلمۃ اللہ ہونے کی گواہی دی۔ ان کی نبوت کی تصدیق فرمائی۔ حضرت مریم کا صدیقہ ہونا ظاہر کیا۔ انجیل کو ہدایت اور نور بتلایا۔ مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب کی قطعی اور تاکیدی الفاظ میں نفی کی۔ اور بالآخر ظاہر کر دیا: قال صلی اللہ علیہ وسلم للیہود ان عیسیٰ لم یمت وانہ راجع الیکم قبل یوم القیامۃ۔ ”حضرت عیسیٰ ہرگز نہیں مرے وہ تو قیامت سے پہلے پھر دنیا میں آئیں گے۔“ اور ایک عام حکم لگا دیا کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا، جو حضرت عیسیٰ کو رسول اللہ اور اس کی ماں کو صدیقہ نہ سمجھے۔

ناظرین مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر کی تقریر کو دیکھئے کہ وہ نبوت محمد ﷺ کے اسباب بعثت میں سے ایک سبب عظمیٰ یہ بھی قرار دیتے ہیں کہ یہود کی غلط فہمیاں دور کی گئیں اور ان کو حیات مسیح اور نزول مسیح کی خبر دی گئی اور اس کے متعلق ان کے عقائد میں جس قدر غلطیاں تھیں وہ رفع کر دی گئیں۔ اب مرزا صاحب کی تقریر کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ آپ اس مقصد نبوت محمد ﷺ کے خلاف پھر یہود کا وہی پہلا اعتقاد زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ جس کی تکذیب خود رسول کریم فرما چکے اور قرآن مجید ربانی طاقت سے یہود کے ان معتقدات کو جھٹلا رہا ہے۔ لوگو اگر ایک ایسے مسئلہ میں جس میں چھ سو سال سے برابر یہود اور نصاریٰ کی بحثیں چلی آتی تھیں اور جس کے فیصلہ کرنے کے لیے خدا نے بنی اسمعیل میں سے آخر الزماں پیغمبر بھیجا (تاکہ بنی اسرائیل کے دونوں گروہوں میں سے وہ کسی کا جنبہ دار نہ سمجھا جائے) اور اس نے، نیز اس پر اتاری ہوئی آسمانی کتاب نے اس بحث اور جھگڑے کا فیصلہ کر دیا۔ تم لوگ ایمان نہیں لاتے تو بجز اس کے کہ ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ عرض کیا جائے اور کیا ہو سکتا ہے۔ عمر فاروق زندہ ہوتے تو وہ دکھلا دیتے کہ جو شخص رسول خدا کے فیصلہ پر رضا مند نہیں۔ اس کا فیصلہ کیا ہے؟

۲۔ دوسری غلطی مرزا صاحب نے جو نکالی، وہ بتلائی ہے کہ لوگ سمجھ رہے تھے

کہ مسیح وفات کے بعد آنحضرت ﷺ کی قبر میں دفن کیا جائے گا۔ لیکن وہ اس بے ادبی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ایسے نالائق اور بے ادب کون آدمی ہوں گے جو آنحضرت ﷺ کی قبر کھودیں گے اور یہ کس قدر نفورکت ہے کہ رسول مقبول کی قبر کھودی جائے اور پاک نبی کی ہڈیاں لوگوں کو دکھائی جاویں۔“

ناظرین اس تقریر میں بھی چند مغالطے ہیں:

۱- تیرہ سو برس کے مسلمانوں میں سے ایک مسلمان کا بھی یہ اعتقاد نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام آنحضرت کے لحد منور میں دفن کئے جائیں گے اور اس لیے آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک کھودی اور نبی پاک کی ہڈیاں نکالی جائیں گی۔ حیف حیف محض یہ جتانے کے لیے کہ ہم نے مسلمانوں کی کوئی غلطی نکال دی ہے پہلے تو مرزا صاحب نے مسلمانوں پر افتراء کیا کہ ان کا یہ اعتقاد تھا پھر اپنے اور ہمارے سید و آقا کی نسبت نہایت مکروہ الفاظ کا دانستہ شوخانہ طرز پر استعمال کیا۔ جس کو پڑھ کر ایک محب رسول کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے اور جسم لرز جاتا ہے۔ افسوس افسوس یہ الفاظ اس شخص کے قلم سے نکلے ہیں جس کو محبت رسول کا سب سے بڑھ کر دعویٰ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مسلمانوں کا بے شک یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح آنحضرت ﷺ کے مقبرہ منورہ میں مدفون ہوں گے۔ اس بارہ میں چند احادیث ہیں۔ اول حدیث عائشہ صدیقہ جس میں آپ نے درخواست کی کہ میں بھی آپ کے پہلو میں مدفون ہوں، فرمایا: نہیں، یہاں تو میں ابوبکر، عمر، عیسیٰ ابن مریم ہی مدفون ہوں گے۔ دوسری حدیث ابو داؤد، احمد وابن حبان وابن جریر کے یہ الفاظ ہیں: ویدفنونہ عند نبینا ﷺ۔ ان کو مسلمان نبی ﷺ کے قریب دفن کریں گے۔ طبرانی اور ابن عساکر کی حدیث جس کو امام بخاری نے بھی تاریخ میں بیان کیا ہے، بہت ہی واضح ہے: یدفن عیسیٰ بن مریم مع رسول اللہ ﷺ وصاحبیہ فیکون قبرہ رابعاً عیسیٰ ابن مریم ہمارے حضرت اور ان کے دونوں یاروں کے پاس دفن ہوں

گے اور ان کی قبر وہاں چوتھی قبر ہوگی (یعنی تین قبریں پہلی اور چوتھی یہ)

اب مرزا صاحب خیال کر لیں کہ ابو بکر اور عمر کس طرح پر دفن ہوئے ہیں۔ ابو مودود سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے روضہ مبارک میں اب تک ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ گو حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہم نے چاہا بھی کہ یہ شرف ان کو حاصل ہو۔ مگر ارادت الہیہ میں جس کے لیے یہ زمین مقدر ہو چکی تھی اسی کے لیے اب تک خالی ہے۔

ازالہ کے دوسرے مقام پر مرزا صاحب کو یہ تو یاد نہیں رہا کہ روضہ رسول میں عیسیٰ ابن مریم کے دفن ہونے کو میں مسلمانوں کی غلطی اور اس غلطی نکالنے کو اپنے مسیح موعود ہونے کی دلیل بتا چکا ہوں۔ بلکہ صرف یہ خیال رہا کہ جو کچھ ابن مریم کے حق میں آچکا ہے وہ سب اپنے اوپر منطبق کر لوں لہذا نہایت صفائی سے اقرار کر لیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک فرشتہ روضہ رسول کی خالی زمین پر سر کنڈا مار کر کہہ رہا ہے کہ یہ تیرے دفن ہونے کی جگہ ہے (دیکھو ازالہ) اس عبارت کے بعد وہ سب اعتراضات جو مرزا صاحب نے ہم پر کئے تھے۔ ان پر لوٹ پڑے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس عقیدہ کو وہ مسلمانوں کی غلطی بتاتے تھے یہ خود ان کی غلطی ہے۔

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا۔ ۱

مرزا صاحب نے رسول پاک کی ہڈیوں کا جو ذکر کیا ہے یہ ان کی اور غلطی پر غلطی ہے۔ حدیث میں تو آچکا ہے، انبیاء کے جسم زمین پر حرام ہوتے ہیں۔ یعنی وہ پاک جسم جوں کے توں پڑے رہتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے خدا کے ہاں میری عزت اس سے زیادہ ہے کہ میں چالیس دن تک اپنی قبر میں چھوڑا جاؤں۔ اگر آپ کو منصب رسالت کی عظمت کا خیال رہتا تو یہ لفظ زبان پر نہ آتا۔

(۹) مرزا صاحب کی نوں دلیل از انجملہ ”مسیح موعود کی یہ علامت ہے کہ وہ

☆ حاشیہ: ۱: مرزا صاحب ۱۹۰۵ء میں لاہور میں مرے۔ قادیان میں ان کی قبر موجود ہے۔ اب وہ خواب کی بات کدھر گئی (ہدایت اللہ)

نبی اللہ ہوگا یعنی خدا تعالیٰ سے وحی پانے والا۔ سو یہ نعمت خاص طور پر اس عاجز کو دی گئی ہے۔“

ناظرین یہ سچ ہے کہ مسیح موعود نبی اللہ ہوگا۔ مسلم کی حدیث: عن نواس بن سمرعان میں چند بار یہ الفاظ آئے ہیں۔ ويحصر نبی اللہ عیسیٰ واصحابه في رغبت نبی اللہ عیسیٰ واصحابه ثم يهبط نبی اللہ عیسیٰ واصحابه في رغبت نبی اللہ عیسیٰ واصحابه الى اللہ۔ عیسیٰ نبی اللہ کا لفظ اس رسول اور کلمۃ اللہ کی ذات والا صفات کے لیے ایسا ہی خاص ہے جیسے غلام احمد قادیانی مرزا صاحب کی ذات سے خاص ہے۔ مرزا صاحب نے بڑے دعویٰ سے لکھا ہے کہ غلام احمد قادیانی تمام دنیا پر بجز ان کے اور کسی کا نام نہیں۔ میں رب کریم کی قسم کھا کر اور اس ذات احد و صد کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ابتداءً دنیا سے لے کر قیام قیامت تک عیسیٰ نبی اللہ بجز اس مریم کے بیٹے، بنی اسرائیل کے رہبر، صاحب انجیل بنی ناصری کے اور کسی کا نام نہیں۔ نہ ان سے پہلے کوئی عیسیٰ نبی اللہ ہوا اور نہ آئندہ کوئی ہوگا اور حدیث شریف میں انہی کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے پاس وحی جبرئیل کا آنا بھی ہمارا مذہب ہے۔ امام شوکانی اور نواب صدیق حسن صاحب نے اس پر بالتفصیل بحث کی ہے اور اس مذہب کی بناء بھی اسی حدیث نواس بن سمرعان کے یہ الفاظ ہیں اذا اوحى الله الى عيسى“

مگر مرزا صاحب پر افسوس ہے کہ مسیح موعود کی یہ علامت بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نبی اللہ ہوگا، جس کے پاس وحی ربانی بھی آیا کرے گی اور بایں ہمہ اپنے ہی آپ کو مسیح موعود خیال کئے بیٹھے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم تشریف لائیں گے تو نہایت غیظ و غضب میں بھر کر فرماتے ہیں۔ یہ ہونہیں سکتا۔ آیت خاتم النبیین روکتی ہے کہ کوئی نبی بھی آئے نیا ہو یا پرانا۔ یہ آیت تو سب کے لیے سدّ راہ ہے پھر مسلمانوں کو نہایت تمسخر سے کہتے ہیں۔ اچھا اگر عیسیٰ نبی اللہ ہی آئے اور ان پر وحی بھی اتری تب تو ایک نیا قرآن اور بن جائے گا۔ یہ

قرآن ۲۳ سال میں اتنا اتر رہا ہے تو حضرت عیسیٰ کا چہل (۴۰) سالہ اقامت میں اس سے دو گنا قرآن جدید ہو جائے گا۔ مسلمان کلمہ بھی ان کا ہی پڑھنے لگیں گے۔ یہ سب کچھ لکھ کر جواب اپنے آپ کو نبی اللہ بنانے اور وحی الہی کا مہبط قرار دینے کی ضرورت پڑتی ہے تب بے چون و چرا مسیح موعود کی علامت میں سے اس کا نبی اللہ اور وحی پانے والا ہونا بھی تسلیم کر لیتے ہیں مگر اس لیے کہ ان کی وہ تلوار جو مسلمانوں کے لیے کھینچی تھی، اُن ہی پر الٹ کر نہ جا لگے۔ یوں فرماتے ہیں اس جگہ نبوت تامہ کاملہ مراد نہیں بلکہ وہ نبوت مراد ہے جو محدثیت کے مفہوم تک محدود ہے۔ ناظرین ایسی تفسیر اور شرح کی نسبت ہی مالا یرضی بہ قالمہ کہا کرتے ہیں کہ حدیث میں نبی اللہ ہے اور مرزا جی اس سے محدثیت کو تعبیر کرتے ہیں اور لطف یہ کہ محدثیت تعبیر کرنے کے بعد اپنے آپ کو وحی پانے والا بدستور قائم رکھتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ جب آپ کو حسب الہام خود ہشتاد سالہ عمر تک پہنچنا ہے اور وحی آپ پر بھی آتی ہے تو آپ کا قرآن کس قدر بڑھ جائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو جس قسم کی وحی آئے گی اس کا ذکر اسی حدیث میں موجود ہے اذا وحی اللہ الی عیسیٰ انی قد اخرجت عبادا لی لا یدان لاحد بقتلہم فحرز عبادی الی الطور۔“ خدا حضرت عیسیٰ کے پاس وحی بھیجے گا کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ ان سے لڑائی کی کسی کو طاقت نہیں۔ سو تو میرے مسلمان بندوں کو طور پر پناہ میں لے جا۔“ اور ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ وحی احکام و شرائع پر مشتمل نہ ہوگی۔ ہاں اب مرزا صاحب کی وحی کو دیکھنا چاہیے کہ آپ جا بجا براہین احمدیہ کی عبارتوں کو دلیل اور مقابلہ کے وقت اس طرح پر پیش کرتے ہیں۔ گویا یہ عبارتیں بھی قرآن مجید کی مانند تمام مسلمانوں پر حجت شرعیہ ہیں۔ جس طرح اکابر دین نزاع فیما بین کے وقت کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ کو پیش کیا کرتے ہیں۔ مرزا صاحب براہین کی عبارتیں اس طرح ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور اس سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان کو وحی ربانی جانتے ہیں اور

تھوڑے دن کے بعد وحی متلو کا درجہ اس کو عطا فرمانے والے ہیں۔

(۱۰) مرزا صاحب کی دسویں دلیل از انجملہ مکاشفات مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی مسیح موعود ہونے کی علامت ہیں۔ حافظ محمد یوسف راوی ہیں کہ مولوی صاحب نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے یہ پیشگوئی کی تھی ایک نور آسمان قادیاں کی طرف نازل ہوا۔ مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔“

ناظرین اول تو کشف خود ہی اعتبار کی شئی نہیں۔ مولوی عبد اللہ صاحب بیچارہ تو ایک ادنیٰ امتی ہی تھے۔ مرزا صاحب کا ایک اولوالعزم رسول کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ مسیح کا مکاشفہ کچھ بہت صاف نہیں تھا۔ (ازالہ ۶۹۲)

پس جب ایک رسول کا کشف مکر تھا تو مولوی صاحب کے کشف کا کیا درجہ رہا۔

دوم اس کا راوی بھی اب قابل اعتماد رہا نہیں۔ کیونکہ اس کشف کی روایت اس نے مرزا صاحب کا مرید ہونے اور آپ کے دعوے سے پہلے نہیں کی۔ ا۔

سوم الفاظ کشف کی خصوصیت سے مطابقت مرزا جی آپ کی ذات سے ذرا بھی نہیں۔ بالفرض قادیان میں نور اترنا ایک کشف میں معلوم ہوا مگر اس کی کیا دلیل ہے کہ وہ نور خود مرزا جی ہی ہیں۔ اچھا وہ ہی سہی۔ پھر بھی مسیح موعود ہونے کی علامت اس خواب میں کچھ بھی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اگر اس کشف کا تعلق مرزا جی کی ذات سے ہو تو آپ ایک صالح مرد ثابت ہو سکیں گے اور جب تک اسی حالت میں مرزا صاحب نظر آئیں گے۔ جس حالت میں صاحب کشف کے زمانہ میں تھے وہ صلاحیت ان میں پائی جائے گی۔

چہارم یہ الفاظ جو راوی کشف نے بیان کیے ہیں اپنی بطلان پر اپنے اندر ہی شہادت موجود رکھتے ہیں۔ وہ شہادت ان الفاظ میں ہے: ”مگر افسوس میری اولاد

☆ حاشیہ: ۱: حافظ محمد یوسف صاحب نے خود مرزا کی بیعت سے رجوع کیا۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے استاد عبد اللہ غزنوی مرحوم سے کچھ نہ سنا تھا (ہدایت اللہ)

اس سے محروم رہے گی۔“ وجہ بطلان یہ ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب کا اولیاء الرحمن سے ہونا ہمارے اور مرزا جی کے نزدیک مسلم ہے اور اولیاء الرحمن کے آثار بیان کرتے ہوئے مرزا صاحب نے سب سے آخری اثر اور علامت ان کی یہ لکھی ہے کہ خدا تعالیٰ کئی پشتوں تک ان کی اولاد اور ان کے جانی دوستوں کی اولاد پر خاص طور پر نظر رحمت رکھتا ہے (ازالہ ۴۴۸) پس ثابت ہو گیا کہ راوی کے وہ الفاظ غلط اور باطل ہیں اور جیسا کہ آپ اولیاء الرحمن کے آثار میں لکھ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت مولوی صاحب مرحوم کی اولاد پر برابر ہے اور وہ بھی اپنے نامور باپ کی طرح اتباع سنت میں کامل اور نہایت معمور الاوقات ہیں۔

(۱۱) مرزا صاحب کی گیارہویں دلیل از انجملہ ایک کشف ایک مجذوب کا ہے جس کو کریم بخش نمازی نے بیان کیا (اور کریم بخش کے پابند صوم و صلوة ہونے کی گواہی بچپن کے شخصوں نے دی) کہ گلاب شاہ نے ۱۹۱۷ء میں اس سے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے اور اب جوان ہو گیا ہے وہ لدہانہ میں آ کر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ عیسیٰ ابن مریم نبی اللہ تو مر گیا وہ نہیں آئے گا۔“ ہم بادشاہ ہیں جھوٹ نہیں بولیں گے۔ (ازالہ ۷۰۹)

ناظرین یہ کشف سراسر لغو اور غلط ہے۔ کریم بخش کا بیان ہرگز قابل توثیق نہیں۔ اور کسی مجذوب کو رسول معصوم کے خلاف لب کشائی کی ہرگز جرأت نہیں۔ کوئی کشف احادیث صحیحہ و مرفوعہ کی تکذیب نہیں کر سکتا اور سید الانبیاء کے ارشادات کی صحت کی معیار کسی شخص کا کشف قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اول تو کریم بخش کی مضطرب بیانی ہی کو دیکھئے کہ لوگوں کے سامنے جو اظہار دیا ہے، اس میں بیان نہیں کیا کہ عیسیٰ کا نام بھی مجذوب نے اسے بتایا تھا۔ بلکہ بعد میں کریم بخش نے آکر یہ کہا کہ ایک بات بیان کرنے سے رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ

☆ حاشیہ: ۱: ان بچپن آدمیوں پر بھی نظر ڈالو جو یہاں کریم بخش کی توثیق کرتے ہیں۔ انہی میں مشرک اور کافر بھی ہیں اور انہی میں جاہل اور نادان بھی، جو توثیق و تصدیق کو نہیں جانتے، انہی میں بعض مرزا صاحب کے مرید بھی۔

مجبذب نے مجھے صاف صاف یہ بھی بتلادیا تھا کہ عیسیٰ کا نام ”غلام احمد“ ہے۔ دیکھو تمام خبر کا عطر اور تمام کشف کی جان تو یہی نام تھا۔ اور وہی کریم بخش سے ابتدائی بیان میں چھوٹ گیا تھا تو اب اس کے حافظہ اور یاد پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے۔

رسالہ نشانِ آسمانی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو بھی میاں کریم بخش کی جانب سے شک ہوا۔ اور انہوں نے ازالہ اوہام میں اس کی شہادت دینے کے بعد کسی نامعلوم وجہ کے باعث اس کو مکرر طلب کر کے اس کی شہادت پھر لی اور اس شہادت لینے سے پہلے اس کو مکرر قسمیں دلائیں۔ پھر جب اس کا بیان لکھا گیا تو اس میں اور بھی زیادہ اضطراب نظر آیا۔ ازالہ میں اس کا بیان ہے کہ مجذب صاحب نے کہا تھا کہ عیسیٰ قادیان میں ہے۔ تب میں نے کہا قادیان تو لدہانہ سے تین کوس ہے وہاں عیسیٰ کہاں ہیں۔ اس کا انہوں نے جواب نہ دیا اور مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ ضلع گورداسپور میں کوئی گاؤں ہے جس کا نام قادیان ہے۔ نشانِ آسمانی میں اس نے بیان کیا ہے۔ میں بھول گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ قادیان ضلع گورداسپور میں عیسیٰ ہے۔“

ناظرین یہ ایسی فاش غلطیاں ہیں جو کسی راوی میں روا نہیں رکھی گئیں۔ قابلِ غور ہے کہ جس راوی میں ضبط اور عدالت ہی موجود نہیں تو خود وہ کیا اور اس کی راویت کیا۔ مرزا صاحب نے بیچین آدمیوں سے کریم بخش کے پابند صوم و صلوة ہونے کی شہادت لینے میں بے سود محنت فرمائی۔ جناب موصوف خوب واقف ہیں کہ راوی کا صرف پابند صوم و صلوة ہونا ہی اس کو ثقہ نہیں بنا سکتا افسوس ہے کہ صحیح مسلم کی حدیث کا انکار کرنے کے لیے تو حضرت نواس بن سمان صحابی رسول تک کی ذات پر بھی حملہ کرنے میں آپ تامل نہ کریں اور کریم بخش پر اتنا اعتقاد کر لیں کہ متن اور رؤس معانی میں اس کا اضطراب ثابت ہو جانے کے بعد بھی اس کو ساقطِ العدالت نہ ٹھہرائیں۔

بہ میں تفاوت رہ از کجا ست تا کجا

حقیقت یہ ہے کہ اس کشف کے مضامین سراسر عقل اور شرع کے مخالف پڑے ہوئے ہیں جس کو تھوڑا سا بھی ذہن سلیم دیا گیا ہے وہ اس کشف کے صریح البطلان ہونے میں ذرا تامل نہ کرے گا۔

مرزا صاحب ازالہ کے ۶۹۱ صفحہ پر لکھتے ہیں۔ ”ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر آنحضرت پر ابن مریم ۱ اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے موجبہ مومکشف نہ ہوئی ہو۔ اور نہ دجال کے ستر باع کے گدھے کی اصل کیفیت کھلی ہو اور نہ یاجوج کی عمیق تہ تک وحی الہی نے اطلاع دی ہو۔ اور نہ دلایۃ الارض کی ماہیت کماہی ظاہر فرمائی گئی ہو اور صرف (امثلہ قریبہ اور صورتشاہہ اور امور متشاکلہ کے

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین ذرا خیال فرمائیں مرزا صاحب فرماتے ہیں: ابن مریم میں ہوں، دجال پادری ہیں، یاجوج انگریز، ماجوج روس، دلایۃ الارض علماء ظاہر گویا ان الفاظ کی حقیقت کاملہ یہی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ ان کے اس مذہب کی کیا بناء ہے کہ آنحضرت پر بن مریم اور دجال کی حقیقت کاملہ بوجہ نہ موجود ہونے کسی نمونہ کے منکشف نہ ہوئی ہو۔“ کیوں کہ اس حقیقت کاملہ کے لیے جو مرزا صاحب نے ان الفاظ کی خود بیان کی ہے کسی اور نمونہ کے موجود ہونے کی ضرورت نہ تھی۔ پادری بھی عہد نبوی میں لاکھوں موجود تھے۔ اور امتی بھی نمونہ کے کیا معنی نوع موجود تھے۔ جس کے ایک فرد ابن مریم اور ایک یا چند کو دجال لقب پانا تھا۔ آپ صاف فرمادیتے۔ یہ پادری دجال ہیں۔ اسلام میں فتنہ پھیلائیں گے۔ میری امت سے ایک شخص ہندوستان پنجاب میں قادیان گاؤں سے غلام احمد نامی پیدا ہو کر ان کے دلائل کی بیخ کنی کر دے گا مگر آنحضرت نے تو ایسا نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر احادیث میں مرزا غلام احمد دلد غلام مرتضیٰ قادیان پنجاب ہندوستان چودھویں صدی کے نام صاف صاف طور پر ہوتے تو اس سے انکار کر کے مرزا صاحب کے نہ ماننے والے کو خود مرزا صاحب ہی خلود ناکار کا فتویٰ دیتے۔ جب کہ باوجود نہ ہونے ان تعینات کے آپ

طرز بیان میں جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قوی کے ممکن ہے، اجمالی طور پر بقیہ حاشیہ: اپنے منکرین کو ایک حد تک مستوجب سزا لکھ چکے ہیں۔ اب دیکھئے اس سے بھی بڑھ کر احادیث میں صاف صاف نام موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد کی جگہ عیسیٰ نبی اللہ ہے مرزا غلام احمد تو دنیا میں ہزار ہو سکتے ہیں مگر عیسیٰ نبی اللہ ان کے سوا کوئی بھی نہیں۔ ولد غلام مرتضیٰ کی جگہ ”ابن مریم“ ولد غلام مرتضیٰ بھی سینکڑوں مگر قرآن وحدیث میں ”ابن مریم“ عجز عیسیٰ اور کوئی نہیں۔ قادیان پنجاب ہندوستان کی جگہ احادیث میں داہق، قسطنطنیہ، دمشق۔ باب لد، مکہ، مدینہ روضہ رسول کے نام ہیں۔“ افسوس جس نبی پاک کا بیان اطلاع اخبار آئندہ (پیشگوئی) میں ایسا واضح ہو جیسا کہ کسی جغرافیہ دان سیاح کا ممالک سیر کردہ کے متعلق ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اس کی نسبت ”منکشف نہ ہوتا“ بیان کریں۔ یا جوج ماجوج انگریز اور روس ہیں تو ان میں کون سی ایسی عمیق تہہ ہے کہ وحی الہی نے سید الانبیاء کو بھی اطلاع دینے میں اس سے بخل کیا ہو۔ دابۃ الارض اگر علماء ظاہر ہیں تو اس کی کون سی ماہیت ایسی ہے جو کما حقہ آنحضرت پر ظاہر نہ ہوئی ہو۔ ناظرین ابن مریم یا جوج ماجوج دابۃ الارض ایسے الفاظ ہیں جو قرآن مجید میں آتے ہیں۔ اپنے لیے تو مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید کے تمام اسرار، جمیع رموز، سارے بطون، جملہ حقائق اور سب کے سب دقائق مجھ پر کھولے گئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے لیے جن پر قرآن مجید نازل ہوا جن کے فرمانے سے ہم نے قرآن سمجھا، یہ اعتقاد کہ آنحضرت ان الفاظ قرآنی کے مفہوم سے بھی نا آشنا محض تھے۔ ہاں نہ صرف آنحضرت پر ان الفاظ کی حقیقت سے نسبت جہل دی گئی ہے بلکہ خدا پر بھی کہ اس کے وحی نے ہی نہ بتلایا ہو۔ ان الفاظ کو ایک منصف مذہب کا شخص بھی ایک مسلمان کے منہ سے پسند نہیں کر سکتا۔ میں نے اس تقریر میں دجال کے گدھے کا ذکر نہیں کیا وجہ یہ ہے کہ صحاح ستہ میں بھی اس گدھے کا کہیں ذکر نہیں مرزا صاحب کو جہاں تاویل کرنی آتی ہے، وہاں تو خواہ کوئی کلام ہو اور کیسی ہی ہو، اس کو فوراً ہی مان لیتے ہیں اور جس کی تاویل سے عاجز ہو جاتے ہیں خواہ وہ مسلم کی حدیث ہو یا بخاری کی، وہ ان کے نزدیک قرآن کے مخالف ہے۔

پر یہ سمجھایا گیا ہو تو کچھ تعجب (۱) کی بات نہیں مرزا جی کی یہی عبارت اس کشف کے خلاف عقل و شرع ہونے کی کافی دلیل ہے۔

عقل کے خلاف اس کشف کے مضمون اس لیے ہیں کہ مرزا صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ ”جہاں تک غیب محض کی تفہیم بذریعہ انسانی قوی کے ممکن تھی، آنحضرت کو سمجھایا گیا۔ مگر حقیقت کاملہ اور اصل کیفیت معلوم نہ ہو سکی۔“ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس قدر غیب محض کے وقائع انسانی قوی کو سمجھائے جاسکتے تھے، وہ اسی قدر ہیں جس قدر آنحضرت کو سمجھا دیے گئے۔ اس سے بڑھ کر سمجھنا انسانی قوی کے امکان سے باہر ہے۔ عقل جانتی ہے کہ جو خاصہ جنس کو حاصل نہیں وہ فرد کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا اور جو حقائق انسان کامل کے مکمل انسانی قوی کے امکان سے برتر و اعلیٰ تھے، وہ انسان ناقص کے کمزور قوی سے ضروری ہی برتر و اعلیٰ ہوں گے اور اسی لیے محال ہے کہ ایک مجذوب کو وہ حقیقت معلوم ہو جائے جو آنحضرت سے پوشیدہ رکھی گئی۔

شرع کے خلاف اس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱- ﴿أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾
ترجمہ! ”خدا وہ ہے جس نے ذکر تم پر نازل کیا تاکہ تو لوگوں کو واضح کر دے کہ قرآن میں ان کے لیے کیا اتارا گیا ہے۔“

۲- ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾

ترجمہ! ”خدا وہ ہے جس نے ان پڑھے لوگوں میں اپنا رسول بھیجا۔ جو خدا کی آیتیں پڑھتا، لوگوں کو پاک صاف بناتا، کتاب اور

☆ حاشیہ: ۱: مرزا جی کے نزدیک تعجب کی بات نہ ہوگی۔ ہمارے نزدیک تو یہ بالکل محال ہے کہ خداوند کریم جس کو الم نشرح لک صدر ک فرمائے۔ وہی الفاظ قرآنی کے مفہوم اور حقیقت سے بے خبر ہو ۱۲۰

حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ گمراہی میں تھے۔

۳- ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾

ترجمہ! ”آج خدا نے تمہارا دین کامل کر دیا اور الٰہی نعمت کو تمام

کر دیا اور خدا خوشنود ہے کہ تمہارا دین اسلام ہو۔“

اگر مجذوب کی باتیں صحیح مان لی جائیں تو ان آیات کی تکذیب لازم آتی

ہے اور اسی لیے الفاظ کشف سرا پا غلط ہیں۔

مجذوب کا یہ کہنا کہ ہم بادشاہ ہیں ہم جھوٹ نہ بولیں گے۔“ رسول کریم

ﷺ کے قسمیہ کلام والذی نفسی بیدہ سے زیادہ بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ ممکن

ہے کہ یہ فرضی بادشاہ تو جھوٹ نہ بولے اور اصل حقیقت ظاہر کر دے اور وہ سلطان

الاصفیا سید الانبیاء اصل حقیقت کے خلاف دروغ بیان کریں۔

أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ أَيُّهَا النَّاسُ ۖ إِنِّي مُنْتَظَمٌ مِّنْ

فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ ۚ أَمْ

أَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٌ﴾

(۱۲) مرزا صاحب کی بارہویں دلیل۔ از انجملہ اس عاجز کے مسیح موعود ہونے پر

یہ نشان ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کی خصوصیت کے ساتھ یہ علامت ہے کہ دجال معبود

کے خروج کے بعد نازل ہو۔ خروج دجال کا زمانہ آیت ﴿إِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ

لِقَادِرُونَ﴾ سے ثابت ہے۔ کیوں کہ اس آیت کے اعداد ۱۲۷۴ ہجری ۱۸۵۷ء کے

مطابق ہیں۔ سو درحقیقت ضعف اسلام کا یہی زمانہ ہے اور خروج دجال کا بھی یہی۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے جب وہ زمانہ آئے گا تو قرآن زمین پر سے اٹھایا جائے گا چنانچہ

اس زمانہ سے قرآن اٹھایا گیا۔ اب میں ان حدیثوں کے موافق جن میں لکھا ہے کہ

ایک مرد فارسی الاصل دوبارہ قرآن کو زمین پر لانے والا ہوگا، میں قرآن کو آسمان پر

سے لے آیا ہوں (ازالہ ۷۲۱/۷۲۵)

ناظرین یہ بیان بھی مغالطے اور سقم سے بھرا ہوا ہے:

کسی آیت کے اعداد نکال کر مضمون آیت کو اعداد جمل سے متعلق سمجھنا اور اس کے مضمون کے لیے اسی زمانہ کو خاص متعین کر دینا ایسا لغو بیان ہے جس میں ایک ذرہ برابر بھی سمجھ ہوگی وہ اس کی لغویت کو فوراً معلوم کر سکتا ہے۔

کسی آیت سے اعداد نکالنے سے پہلے اور اس اعداد کے زمانہ کو مضمون آیت سے تعلق دینے سے پیشتر مرزا صاحب پر یہ فرض تھا کہ وہ اعداد جمل کو بھی الہی تعلیم ثابت کر دیتے اور بتلاتے کہ الف کا ایک اور ذ کے ۶۰۰ اور ص کے ۹۰ ہونے کا ثبوت کس حدیث یا آیت سے ملتا ہے۔ اعداد جمل تو اک طرف، خود سنہ ہجری بھی جو مرزا صاحب نے نکالا ہے اور اس کو اس آیت میں مراد ربانی بتلایا ہے، زمانہ نزول قرآن اور حیات پیغمبر ﷺ کے بعد مقرر ہوا ہے اور اس سنہ کا رواج بھی ایک اتفاقی امر ہے نہ کہ وہی جو اباب تواریخ سے پوشیدہ نہیں۔ برف پر پتھر کی عمارت بنانا اسی کا نام ہے کہ ایسی ایسی وجوہ پر بناء استدلال قائم کی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر آیات کے مضامین کو اعداد جمل سے متعلق کیا جائے اور اس مضمون کا زمانہ اعداد سے متعین کر دیا جائے تو نصف سے زیادہ قرآن مختص بہ بعض ہو جائے گا اور اس کا عامہ ناس کے لیے ہدایت اور نور اور واجب الاذعان ہونا صحیح نہ رہے گا۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ قرآن مجید سے اعداد جمل کے موافق تاریخ نکالنا ایک جسارت ہے اور اس پر یقین کرنا کہ آیت کا تعلق بھی زمانہ اعداد سے ہے، گو نہ کفر ہے۔

مسلمان بادشاہوں کی تاریخوں اور شاعروں کی تصانیف کو کھول کر ملاحظہ کیجئے کہ بیسیوں آیات سے اعداد جمل نکالے گئے ہیں تو کیا مرزا صاحب ان کو بھی یقین کرتے ہیں کہ ان آیات کا تعلق اسی زمانہ اعداد سے ہے۔

۱- ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

ایک ایسی آیت جو مسلمانوں کو اپنے امیر اور حاکم کی اطاعت کرنے کا حکم

دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک جس قدر امیر ہوئے ہوں گے ہمارا اعتقاد ہے کہ سب کی اطاعت کرنے کی یہ آیت حکم دے رہی ہے۔ اگر اس کے اعداد پر خیال کیا جائے تو ۱۰۶۸ ہجری ہوتے ہیں۔ سید عبدالرشید تھوی نے یہی آیت جلوس اور نگ زیب کی تاریخ میں پیش کی تھی۔ اعداد پر ایمان لانے والوں کو چاہیے کہ نہ عالمگیر کے سوا کسی کو امیر المؤمنین سمجھیں اور نہ کسی اور کی اطاعت کو اپنے ذمہ واجب کریں۔

۲- ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ اللَّهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾

شیخ ابوالفیض فیض کی تفسیر ”سواطع الالہام“ کی تاریخ تصنیف ہے۔ لازم ہے کہ اس سورۃ کو وصف رب العالمین نہ سمجھیں۔

۳- ”الصلح خیر“ شاہ طہماسپ صفوی اور سلطان روم میں باہمی مصالحت کی تاریخ ہے۔ لازم ہے اب زن و شوہر کے متعلق اس کو قرآن کا حکم خیال نہ کریں۔

۴- ﴿غُلِبَتِ الرُّومُ فِی اَدْنٰی الْاَرْضِ﴾ امیر تیمور کی فتح روم کی تاریخ ہے۔ آیت کا ترجمہ بھی اسی کا موید ہے (گوشان نزول مخالف ہو) یعنی ”روم“ ادنی الارض میں مغلوب کیا گیا۔ تاریخ نکالنے والے نے لفظ ارض کے حروف ادنی یعنی ض سے تاریخ نکالی ہے۔ اب مناسب ہے کہ امیر تیمور کے جنگ کو جنگ مقدس قرار دیں، جس کی تاریخ خود خدا بیان کر رہا ہے۔

۵- ﴿رَوْحٌ وَرِیْحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِیْمٌ﴾ عالمگیر کی تاریخ انتقال ہے۔ آپ کو اقرار کرنا چاہیے کہ سوائے عالمگیر کے اور کسی کو یہ نعمتیں نہ ملیں گی۔ ورنہ کم سے کم اس بادشاہ کے قطعاً جنتی ہونے کا جیسا اہل السنۃ والجماعت کو اصحاب بدر، بیعت الرضوان، عشرہ مبشرہ، خلفاء اربعہ کی نسبت ہے) ضروری ہے دعویٰ کیجئے اور ایسی سینکڑوں تاریخیں ہیں اور اگر ان پر مرزا صاحب کا یقین نہیں تو آیت ﴿وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهٖ﴾ کو کیوں اعداد سے متعلق کرتے ہیں۔

ناظرین جب یہ اصول ہی غلط ٹھہرا تو اب مرزا صاحب کو لازم ہے کہ خروج دجال معبود کا اور کوئی ثبوت شرعی پیش کریں اور تب مسیح موعود ہونے کے دعویدار ہوں اور اس دعویٰ کے لیے بھی پھر ثبوت شرعی ظاہر کریں۔ ازالہ کے ۱۸۵ صفحہ پر آپ نے لکھا ہے کہ مجھے کشفی طور پر ”غلام احمد قادیانی“ کے الفاظ پر توجہ دلائی گئی۔ جس کے عدد پورے تیرہ سو ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آیات بعد الماتین سے یہی عاجز مراد ہے اور میرے دل میں ڈالا گیا ہے کہ اس وقت بجز اس عاجز کے تمام دنیا میں غلام احمد قادیانی کسی کا بھی نام نہیں۔“

ناظرین یہ تاریخ گویا مسیح موعود ہونے کا اعلیٰ ثبوت ہے جو مرزا صاحب نے ایسے پر زور الفاظ میں پیش کر دیا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ”غلام احمد قادیانی“ ایسے الفاظ ہیں جو مدح یا ذم کچھ بھی ظاہر نہیں کرتے جو اپنے مسیحی کے صدق یا کذب پر ذرا بھی شہادت نہیں دیتے۔ اگر اعداد بھی حجت بن سکتے ہیں اور تاریخ بھی دلیل و ثبوت کا رتبہ پاسکتی ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے اس کشف سے راقم کا کشف بدرجہا صاف و برتر ہے۔ جب مرزا صاحب نے دہلی جا کر شیخنا و شیخ الکل سے درخواست بحث و مناظرہ کی اور طرفین کے مطبوعہ اشتہارات پٹیلہ میں پہنچے تو میرے دل میں آیا کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے فوراً میرے دل میں ڈالا گیا ”مولوی سید نذیر حسین دہلوی“ میں نے جب اعداد شمار کئے تو پورے ۱۳۰۹ ہجری جو سنہ مناظرہ تھا۔ ظاہر ہے کہ مولوی اور سید ایسے دو لفظ ہیں جو اپنے مسیحی کے شرافت ذاتی و علمی اور اعزاز جسی و نبی پر دلالت کر رہے ہیں اور یہ بھی میں دعوے سے کہتا ہوں کہ آج دنیا پر ”مولوی سید نذیر حسین دہلوی“ شیخنا و شیخ الکل کے سوا جن سے مرزا صاحب مناظرہ کرنے کے شوق میں دہلی پہنچے تھے اور کسی کا نام نہیں۔ برادر عزیز قاضی عبدالرحمن کے دل میں ایسا ہی خیال کرنے پر یہ الفاظ ڈالے گئے: سید محمد نذیر حسین دہلوی اس کے اعداد بھی پورے ۱۳۰۹ھ ہیں ﴿وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ ایک دفعہ پھر اسی عزیز کے دل میں یہ الفاظ ڈالے گئے۔ ”غلام احمد قادیانی“ مسیح موعود ہر

گزر نہیں۔ اعداد شمار کرنے پر پورے ۱۸۹۱ء نکلے جو مرزا صاحب کا سنہ دعویٰ ہے۔
مرزا صاحب نے اسی موقع پر آیت ﴿وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ﴾
سے یہ ثابت کر کے کہ قرآن مجید ۱۲۷۴ء میں آسمان پر اٹھایا گیا تھا پھر لکھا ہے اب
میں اس قرآن کو پھر زمین پر لے آیا ہوں جیسا کہ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ
تھا ”لوکان الایمان معلقا عند الثریا لئلا یرجل من فارس“ (ازالہ ۷۲)
ان کے اس دعویٰ اور استدلال میں چند امور غور طلب ہیں:

۱۔ مرزا صاحب کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ ذہاب بہ میں جو ضمیر ہے اس کا
مرجع قرآن مجید ہی ہے۔ اس آیت سے ما قبل و بعد کی آیتیں ملا کر پڑھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے۔ آیات
پر غور کرو

﴿وَإِنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَهُ فِي الْأَرْضِ
وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ
مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهٌ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا
تَأْكُلُونَ﴾

ترجمہ! ہم نے آسمان سے پانی اندازہ کے موافق اتارا اور ہم
اس کے دور کر دینے پر قادر ہیں پھر ہم نے پانی سے تمہارے لیے
کھجوروں اور انگوروں کے باغ بنائے۔ اُن باغوں میں بہت میوے ہیں
جن سے تم کھاتے ہو۔“

آیت میں صاف طور پر ماء کا لفظ موجود ہے۔ جس کی طرف ذہاب بہ اور
بہ جنت کے ضمائر کا مرجع ہے لیکن اگر اب بھی مرزا صاحب اپنی ہٹ پر ہی قائم
رہے تو ان کو مناسب ہے کہ جس طرح ذہاب بہ کی ضمیر کا مرجع قرآن شریف کو قرار
دیتے ہیں۔ اسی طرح بہ جنت کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن شریف ہی کو قرار دیں۔
اور پھر ہم کو ترجمہ بھی کر کے دکھلا دیں۔

۲- مرزا صاحب قرآن مجید سے قرآن مجید کا زمین سے اٹھایا جانا تو ثابت کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید سے اس کا دوبارہ آنا ثابت نہیں کر سکتے قرآن کے دوبارہ زمین پر آنے کا ثبوت مرزا صاحب ایک حدیث سے دیتے ہیں اور یہ وہی طرز استدلال ہے جس پر خود مرزا صاحب حیات و وفات مسیح میں علماء پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ بزعم خود آیات قرآنیہ سے وفات مسیح ثابت کرتے ہیں اور علماء کرام اس کے مقابلہ میں احادیث رسول مضمین حیات مسیح کو پیش کرتے ہیں تو آپ فرمایا کرتے ہیں کہ قرآن مجید قطعی اور متواتر ہے اور احادیث ظنی یا زیادہ سے زیادہ مفید نظر لہذا جب قرآن مجید سے وفات مسیح ثابت ہو چکی۔ تو پھر حدیث ان کی حیات کو ثابت نہیں کر سکتی۔ پس اسی طرح اے جناب مرزا صاحب جب قرآن مجید سے قرآن مجید کا بقول آپ کے ۱۲۷ھ میں دنیا سے اٹھ جانا ثابت ہو چکا تو اب اس کا دنیا پر موجود ہونا آپ ثابت نہ کر سکیں گے کیوں کہ آپ کا قابل اعتراض طرز استدلال اگر علماء کے لیے جائز نہیں تو آپ کے لیے بھی کیوں جائز ہو سکتا ہے۔

۳- مرزا صاحب نے اپنے فارسی النسل والاصل ہونے کا ثبوت کچھ بھی نہیں دیا بلکہ سمرقندی الاصل ہونے کا اقرار ازالہ ۱۲۰ صفحہ پر کر لیا ہے جس نے کسی پر انگری مدرسہ میں بھی جغرافیہ کی تعلیم پائی ہے اور نقشہ ایشیا ایک آدھ دفعہ بھی دیکھا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ سمرقند فارس میں نہیں ہے اور اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ مرزا صاحب حسب اقرار خود فارسی الاصل نہیں۔ اب رہا سمرقندی الاصل ہونا سو یہ بھی غلط ہے ان کا یہ بیان شاید صحیح ہو کہ بادشاہ چغتائی کے زمانہ میں ان کے اجداد سمرقند میں رہتے تھے اور پھر دہلی آ گئے۔ مگر جس طرح پر مرزا صاحب نویں صدی سے چودھویں صدی تک ہندوستان میں رہنے سہنے اور بود و باش کرنے سے ہندی الاصل نہیں بنے اور نہیں کہلائے اسی طرح سمرقند میں چند روزہ قیام آباء و اجداد سے وہ سمرقندی الاصل بھی نہیں ہو سکتے۔ تحقیق انساب و اقوام والے فاضل ایسے ادھورے اور ناقابل اطمینان بیان پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ مغول ہیں۔ اور مغول ہی

مرزا کہلاتے ہیں۔ وہ پہلا بچہ جس کا نام والدین نے مغول رکھا تا تاری الاصل ہے جس کی نسل چینی تا تار اور دامن تبت میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنگیز خاں ہلاکو خاں وغیرہ اسی نسل سے ہیں۔ ابوالفضل (جس نے سب سے پہلے خاندان مغول میں الہام، کشف، ولایت، معبودیت اور محبوبیت کے شرف ثابت کرنے میں بہت کچھ کوشش کی ہے اور جس کی تحریروں کو مرزا صاحب نے بطور اہاس سمجھ کر غالباً ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے) اسی تحقیق پر جزم کرتا ہے اور یہ سب تاریخی واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ مرزا صاحب جو حدیث لئالہ رجل کے حوالہ سے فارسی الاصل بنے تھے اور حدیث حارث حراث کے حوالہ میں سمرقندی الاصل ہونے کے مدعی ہوئے تھے، وہ درحقیقت نہ فارسی الاصل ہیں نہ سمرقندی بلکہ تا تاری ہیں اور اس قوم میں سے ہیں جس کو ابوداؤد کی حدیث میں امت کی ہلاک کنندہ قوم فرمایا گیا ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ مرزا صاحب نے ایک عالی نسب کی جانب خواہ مخواہ نسبت پیدا کرنے کے لیے اتنے ایچ پیج ڈالے اور اس حدیث کے مورد خود ہی بنے جس میں نسب بدلنے والے کے لیے سخت وعید ہے حتیٰ کہ اس کا ردزہ و نماز بھی قبول نہیں ہوتا۔ ان کو اور ان کے مریدوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب مرزا صاحب کے کمالات ذاتی و جسی نے شرافت نسبی و اضافی سے ان کو مستغنی کر دیا ہے تو نسب کے اعلیٰ ثابت کرنے کے لیے یہ اضطراب بیانی کیوں؟؟؟

۳۔ مرزا صاحب نے معنی حدیث بھی غلط کئے ہیں۔ حدیث شریف کے الفاظ لو کان الایمان عند الثریا ہیں اور از الہ ۶۰۳ صفحہ پر مرزا صاحب لکھ چکے ہیں کہ کان حال کو چھوڑ کر گزشتہ زمانہ کی خبر دیتا ہے لہذا ترجمہ الفاظ حدیث یہ ہے کہ اگر ایمان ثریا پر بھی ہوتا تو میرے اصحاب میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو اس کی طلب وہاں تک کرتا۔ یہ حدیث آنحضرت ﷺ نے سلمان پارسی رضی اللہ عنہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمائی تھی۔ حضرت سلمان پارسی رضی اللہ عنہ کا حال پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ کس طرح پر آپ نے سن شعور سے لے کر ضعف پیری دین حق کی تلاش میں اپنی عمر

عزیز کو صرف کیا اور کس طرح پر سینکڑوں مذہبوں اور ملتوں کے اصول و شرائع سے واقفیت پیدا کرتے اور صراطِ مستقیم کو ڈھونڈتے رہے۔ اور بالآخر اس سنتِ الہی کے موافق کہ خدا کسی کی محنت کو ضائع نہیں فرماتا اور طالبِ حق کو محروم نہیں رکھتا، شرفِ اسلام سے فائز ہوئے تو اس وقت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ اسلام اور یہ صراطِ مستقیم تو خدا نے دنیا میں بھیج دیا ہے اس کا تلاش کر لینا تو ان پر کیا دشوار ہونا تھا اگر ایمان و اسلام ثریا پر بھی ہوتا تو ان کی طلب پھر بھی مطلوبِ رس ہوتی۔ مرزا صاحب جو اس حدیث کو اپنے زمانہ سے متعلق بتاتے ہیں اور اس حدیث کے تمسک سے دعویٰ کرتے ہیں کہ آسمان پر اٹھائے گئے قرآن کو میں دوبارہ دنیا پر لے آیا ہوں وہ اس جگہ کان کو بمعنی سوف کیوں لیتے ہیں۔ یعنی جب زمانہ دراز آئندہ میں ایمان آسمان پر ہوگا لیکن اس ترجمہ میں علاوہ اس نحوی غلطی اور از الہ ۶۰۳ صفحہ کے خلاف ہونے کے معاذ اللہ یہ بھی نکلتا ہے کہ رسول کریم کے عہد میں بھی نزولِ ایمان زمین پر نہ ہوا تھا۔ فَاَعْتَبِرُوا يَا اُولٰٓئِیَ الْاَبْصَارِ

۴۔ مرزا صاحب ابنِ مریم یعنی مسیح موعود بنتے ہیں اور پھر یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کی مسیحیت سے پہلے قرآن مجید دنیا سے اٹھالیا گیا تھا۔ حالانکہ حدیث شریف میں اس کے خلاف ہے۔ نَحْجُ الْکَرَامَةِ صفحہ ۴۴۲ میں یہ حدیث منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ ابنِ مریم نازل ہوں گے، الدجال کو قتل کریں گے اور چالیس سال تک قیام کریں گے، کتاب اللہ اور میری سنت پر عمل کریں گے پھر موت پائیں گے۔ مسلمان حضرت عیسیٰ کی جگہ ایک شخص کو قبیلہ بنی تمیم سے جس کا نام مقعد ہوگا، خلیفہ بنائیں گے۔ جب وہ بھی مرجائے گا تو اس کی وفات کے بعد بیس سال پورے نہ ہوئے ہوں گے کہ لوگوں کے سینہ میں سے قرآن اٹھالیا جائے گا (رواہ ابو الشیخ عن ابی ہریرہ مرفوعاً) اس حدیث نے دو باتوں کا فیصلہ کر دیا۔ اول یہ کہ آپ مسیح موعود نہیں۔ دوم یہ کہ ہنوز رفعِ قرآن کا زمانہ نہیں آیا۔

ناظرین یہی بارہ علامات و دلائل ہیں جو مرزا صاحب نے اپنے مسیح موعود

ہونے پر پیش کی ہیں۔ جن کا اغلاط سے پر، سقم سے مملو، مغالطات سے بھرا ہوا ہونا مختصر طور پر عرض کیا گیا۔ ان بارہ علامات کی طرف ناظرین نظر غائر ڈال کر مکرر خیال فرمائیں کہ ایک حدیث یا ایک آیت بھی جو دلالت بلکہ اشارت بھی اس دعویٰ کی کرتی ہو مرزا صاحب اس تمام مضمون (مسح موعود) میں پیش نہیں کر سکے۔ جن الفاظ حدیث کی تاویل کر کے ان کو اپنی طرف لگایا ان کے اصل لفظ نہیں لکھے تاکہ کوئی سمجھ دار معلوم نہ کر سکے کہ اس تاویل کی موافقت ان الفاظ سے ہو نہیں سکتی۔ اس کے جواب میں آپ صاحبان غایت المرام میں اس عاجز کا لکھا ہوا مضمون ”ابن مریم“ ملاحظہ فرمائیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ مسح موعود کون ہیں اور ان کے علامات حدیث و کتاب اللہ میں کیا کیا درج ہیں۔ اس مقام پر بھی میں چند ایسی علامات کا تحریر کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ جن سے مرزا صاحب کا مسح موعود نہ ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔

۱۔ مسح موعود کے زمانہ کی ایک علامت صحیحین کی متفقہ حدیث میں یہ ہے۔ “ویکثر (۱) المال حتی لا یقبلہ احد” کہ مال کی اس زمانہ میں اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے قبول نہ کرے گا۔ مال کی تفسیر مسلم کی دوسری حدیث میں یہ ہے کہ انسان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا تو کوئی لینے والا نہ ملے گا۔

مرزا صاحب جو اپنے پیش نہاد پنج گانہ سلسلوں کے لیے احباب سے مال کے خود ملتی ہیں، وہ مسح موعود نہیں ہو سکتے۔

☆ حاشیہ: مرزا صاحب نے مال کی تاویل معارف اور اسرار کی ہے یعنی مسح کے وقت میں اسرار قرآنی اور معارف ربانی بکثرت ظاہر ہوں گی۔ اس تاویل پر اول تو یہ اعتراض ہے کہ مریدوں کا ان معارف کو قبول نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ مسلم کی تفسیر نے اس تاویل کو بالکل ہی غلط کر دیا ہے۔ سوم مولوی محمد حسن امروہی مال سے مراد مال ہی رکھتے ہیں۔ اور مرزا صاحب کے انعامات بمقابلہ آریہ صاحبان کو وہ مال قرار دیا ہے جس کو آج تک کوئی حاصل نہیں کر سکا۔ ناظرین

۲- مسیح موعود کے زمانہ کی دوسری علامت صحیحین میں یہ ہے۔ ”حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنيا وما فیہا“ یعنی ہر انسان کی نگاہوں میں دنیا کی جاہ و شہرت مال و دولت بے قدر محض ہو جائیں گے۔ دنیا سے انقطاع تام حاصل ہوگا اور رب العالمین کی جانب ایسا جذبہ کامل ہو جائے گا اور محبوب حقیقی کی محبت نفس اور طبیعت پر اس قدر غالب آجائے گی کہ اگر تمام دنیا کی حکومت و اقتدار اور دنیا بھر کے مال و متاع کو ایک طرف اور صرف ایک سجدہ کو دوسری طرف رکھ کر مسلمان کو کہا جائے گا کہ دونوں میں سے وہ کسے پسند کرتا ہے تو وہ سجدہ کو پسند کرنے اور اس ایک منہ کو جو طاعت الہی میں صرف ہو مال پر ترجیح دینے میں ذرا بھی تاثر نہ کرے گا گویا زبان حال سے اس شعر کا ورد کر دے گا۔

دیوانہ کنی مال و جہانش بخشی

دیوانہ تو مال و جہاں راچہ کند

مسیح موعود کے زمانہ کی یہ برکت عام ہوگی۔ مرزا صاحب کے زمانہ میں جو فسق و فجور پھیلا ہوا ہے جس قدر ارتکاب محارم ہو رہا ہے۔ زنا اور شراب کا استعمال امارت اور فخر کے طور پر کیا جاتا ہے، مسلمانوں نے توحید کو چھوڑ کر قبر پرستی تعزیہ پرستی کو اپنا دین ایمان سمجھ لیا ہے۔ کتاب اور سنت سے منہ موڑ لیا ہے وہ نہ مرزا صاحب سے پوشیدہ ہے نہ ناظرین سے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔

۳- مسیح موعود کے زمانہ کی تیسری علامت صحیح مسلم و ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے: ”اس کے زمانہ میں بتاغض و تحاسد (باہمی بغض و حسد) دور ہو جائے گا۔ انسان کے بچے سانپوں کے ساتھ اور شیر بکری کے ساتھ کھیلیں گے۔ تعصب کی زہریں نکل جائیں گی اور ایک بھائی دوسرے بھائی پر نیک ظن پیدا کرے گا۔“

ازالہ کے ۵۹۴ صفحہ پر آپ نے یہی الفاظ لکھے ہیں اور ان کو بلا کسی تاویل

بقیہ حاشیہ: کے لیے پیر و مرید کے یہ اختلاف بیانی قابل دید ہے پھر مسلم کی تفسیر نے جس میں زکوٰۃ ادا کرنے کا ذکر ہے پیر اور مرید دونوں کی تاویل کو غلط قرار دے دیا ہے۔ (فقط)

کے قبول کر لیا ہے۔ بسم اللہ اسی کسوٹی پر اپنے دعویٰ کو کس لیجئے اور رسالہ شہادت القرآن کے آخری اشتہار پر نظر غائر فرمائیے کہ آپ نے خود اپنے قلم سے اپنے مبائعین کی درندگی، وحوش طبعی، بد تہذیبی، آپس میں بد کلامی، دشنام دہی، بلکہ فحش کلمات کے استعمال کرنے کا ذکر کیا ہے اور حکیم نور الدین کی رائے لکھی ہے کہ یہ لوگ قادیان آ کر بجائے درست ہونے کے اور زیادہ خراب ہو جاتے ہیں۔ اور آپس میں ذرا بھی پاس اور لحاظ نہیں کرتے۔ لہذا یہ سالانہ جلسہ بند کیجئے اور ان مریدوں کا اس طرح جمع ہونا مسدود فرمائیے۔ آپ کی شہادت اور اس پر حکیم نور الدین صاحب کی نورانی تصدیق نے ثابت کر دیا کہ آپ مسیح موعود نہیں۔ اگر ہوتے تو تمام اسلامی دنیا میں محبت اور اتحاد پھیلا دیتے نہ کہ مبائعین میں بھی وہ حالت پائی جائے جو کسکی نام اور نمود کی مہذب سوسائٹی میں بھی نظر نہ آئے گی۔ سچ ہے درخت ہمیشہ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

۴۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ان ہی کے اقوال ذیل شاہد ہیں:

۱۔ یہ ایک واقعہ مسلمہ ہے کہ دجال معبود کے خروج کے بعد آنے والا ہی مسیح ہے جو مسیح موعود کے نام سے موسوم ہے (ازالہ ۲۲ صنفہ)

۲۔ صحیح مسلم اور بخاری کی متفق علیہ حدیثوں نے جو صحابہ کبار سے مروی ہیں، ابن صیاد کو دجال معبود اور آخر مسلمانوں کی جماعت میں داخل کر کے مار بھی دیا (ازالہ ۲۴ صنفہ)

یہ اقوال صاف بتلا رہے ہیں کہ آپ مسیح موعود نہیں کیوں کہ مسیح موعود کو خروج دجال معبود کے بعد آنا تھا۔ دجال معبود قبل از خروج مسلمان ہو گیا۔ اور تیرہ سو برس ہو چکے کہ مر بھی گیا۔

۵۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ان کا یہ اقرار شاہد صادق ہے۔ ”ممکن اور بالکل ممکن ہے کہ کوئی مسیح ظاہری جلال و اقبال کے ساتھ آئے۔“ ممکن ہے کہ اس پر احادیث کے بعض ظاہری الفاظ صادق آجائیں (ازالہ ۲۰۰ صنفہ)

حکیم نور الدین صاحب اپنے خط میں جو ازالہ کے آخر میں لگا ہوا ہے۔ ایک سائل کو اطلاع دیتے ہیں کہ خود خاکسار نے جب مرزا جی کے حضور میں مولوی محمد حسین صاحب بنالوی کا ایک پیغام پہنچایا تو آپ نے فرمایا۔ ”میں نے تو مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے ممکن ہے کہ مثیل مسیح بہت آویں اور کوئی ظاہری طور پر بھی مصداق ان پیشین گوئیوں اور نشانات کا ہو۔ جن کو میں نے روحانی طور پر الہاماً اپنے پرچسپاں کیا ہے۔“

مرزا صاحب اور حکیم صاحب کی تقریر سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ وہ مسیح آئے گا جو ظاہری طور پر احادیث کی پیشین گوئیوں اور رسول کریم کے بتائے ہوئے نشانات کا مصداق ہو اور ظاہری جلال و اقبال بھی اپنے ساتھ رکھتا ہوگا جس کا ذکر حدیث شریف میں بہ تصریح وارد ہے اور وہ اول دمشق میں ہی اترے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مرزا صاحب نے ان علامات کو اپنی ذات پر چسپاں کرنے میں بڑی بھاری جرات کی ہے اور اس لیے کہ موعود مسیح کی وہ علامات جن کا ظاہری طور پر ظہور ہونا رسول کریم ﷺ نے بیان کیا ہے اور انہی علامات سے ہم کو مسیح موعود اور مسیح مدعی میں فرق کرنے کے لیے ”فاعرفوه“ فرمایا ہے، آپ میں پائی نہیں جاتیں لہذا ہم بعد شناخت کامل بیان کرتے ہیں کہ مرزا صاحب ہرگز مسیح موعود نہیں۔ مسیح موعود وہی دمشق کے شرق میں اترنے والا اور ظاہری جلال و اقبال والا ہے جس کے نزول پر ہم مسلمان ایمانی طور پر اور مرزا صاحب امکانی طور پر یقین رکھتے ہیں۔

جس وقت یہ مسیح موعود نازل ہوگا اور مرزائیوں سے دریافت کرے گا کہ تم نے باوجود نہ ہونے علامات بیان شدہ کے مرزا غلام احمد کو کیوں مسیح تسلیم کر لیا تھا اور کیوں خود مرزا صاحب کے اس تذبذب سے ”جو امکانی طور پر میرے نزول کی تسلیم میں“ اس کی تقریر کے اندر نمایاں تھا۔ مرزا کی اندرونی حالت اور خود اس کے دعاوی پر اسی کی بے اعتباری سے فائدہ اٹھا کر میرے منتظر کیوں نہ رہے تھے اور تحمل الصوص علی ظواہر ہا“ کے اصول پر عمل نہ کر کے کیوں تم نے اپنے اعتقادات اور ایمانیات کو

استعارہ اور مجاز پر قائم کر لیا تھا۔

تو اس وقت میں نہیں جانتا یہ لوگ کیا جواب دیں گے اور کیوں کر میلہ کا کلمہ پڑھنے والے (جنوبت میں اپنے آپ کو اور آنحضرت ﷺ کو سہیم و شریک جانتا تھا اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی نفی نہ کرتا تھا) محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں شریک ہو سکیں گے۔

﴿يَا حَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾

کیا رسول علیہ السلام کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور بھی استہزاء ہو سکتا ہے کہ اس کے بتلائے ہوئے علامات اور مقرر کردہ نشانات والے مسیح کو تو امکانی طور پر تسلیم کیا جاتا ہے (جس میں دونوں شقیں برابر ہوتی ہیں) اور اپنے آپ کو یقینی اور قطعی طور پر مسیح موعود کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۶۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ ناظر ہیں:

(۲۲) تب اگر کوئی تمہیں کہے کہ دیکھو مسیح یہاں ہے یا وہاں تو یقین مت لاؤ۔
(۲۳) کیوں کہ جھوٹے مسیح اور جھوٹے نبی انھیں گے اور بڑے نشان اور کرامتیں دکھا دیں گے یہاں تک کہ اگر ممکن ہوتا تو برگزیدوں کو بھی گمراہ کرتے۔

(۲۴) دیکھو میں پہلے سے ہی کہہ چکا ہوں۔
(۲۵) پس اگر وہ تمہیں کہیں دیکھو وہ جنگل میں ہے تو باہر مت جاؤ دیکھو وہ کوٹھڑی میں ہے تو باہر مت کرو۔

(۲۶) کیوں کہ جیسے بجلی پورب سے کوندھتی ہے اور پچھم تک چمکتی ہے ویسا ہی انسان کے بیٹے کا آنا بھی ہوگا۔ (متی باب ۲۴۔)

ان الفاظ میں جناب مسیح نے اپنے آنے سے پہلے جھوٹے نبیوں کے آنے کی کیسی صاف پیش گوئی فرمائی ہے۔ مرزا صاحب کا ان الفاظ کے مقابلہ میں یہ

جواب کہ ”عیسائیوں میں جن لوگوں نے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ہے وہ تو جھوٹے مسیح ہیں اور میں سچا مسیح موعود ہوں“ بالکل ابلہ فریب جواب ہے۔ جناب چوروہیں پڑتا ہے جہاں مال ہوتا ہے۔ موعود بننے کا دعویٰ وہیں چل سکتا ہے جہاں کسی کے آنے کا انتظار ہوتا ہے۔ اس لیے ضرور تھا اور آئندہ بھی ہے کہ تا نزول مسیح علیہ السلام مسلمانوں میں جھوٹے مسیح پیدا ہوتے اور دعویدار بنتے رہیں۔ مرزا صاحب سے پہلے ”ابن ہود“ نامی ایک شخص تھا جس کے کئی ہزار مرید تھے اور جو بڑی وجاہت اور شان کا آدمی تھا وہ یہی دعویٰ کر چکا ہے۔ امام ابن تیمیہ الحرانی نے اس کو ساکت کیا تھا۔

۷۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر رزین کی وہ حدیث نص ہے جس کے راوی امام جعفر صادق سے لے کر علی المرتضیٰ تک (رضی اللہ عنہم اجمعین) کل ائمہ اہل بیت نبوی ہیں ”رسول خدا نے فرمایا: وہ امت کیوں کر ہلاک ہوگی جس کے اول میں بیچ میں مہدی اور آخر میں عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔“

مرزا صاحب جو خود ہی مہدی اور خود ہی مسیح بنتے ہیں وہ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ حدیث بالا مہدی اور مسیح کو دو جدا جدا شخص بتلا رہی ہے اور مسیح موعود اس کو قرار دیتی ہے جو مہدی کے بعد آنے والا ہو۔

اگر حدیث کے تسلیم کرنے میں کچھ تامل ہو تو نعمت اللہ ولی کا قصیدہ (جو مرزا صاحب کے نزدیک ایسا معتبر اور قابل وثوق ہے کہ اس قصیدہ کو شائع کرنے کے لیے ایک علیحدہ رسالہ لکھا اور اس کا نام نشان آسمانی قرار دیا) ایک بار پھر دیکھا جائے۔ اسی میں یہ بھی شعر ہے۔

مہدی وقت عیسیٰ و دریاں

ہر دو را شہسوار سے بینم

مہدی وقت عیسیٰ دوران کے بیچ میں جو واڈ پڑا ہوا ہے آپ بڑی آسانی سے اس کو وا تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ جیسا واما مکم منکم میں کہا ہے مگر دوسرے مصرعہ میں ہر دو بھی موجود ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ مہدی اور عیسیٰ دونوں شہسوار ہیں اور

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار میدان آرا جنگ آزما ہوں گے اور سیفی فتح سے تمام دنیا کو مسخر کر دکھلائیں گے جس کو مرزا صاحب ناچیز سمجھتے ہیں۔

۸- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر دلیل ان کا یہ اقرار ہے۔ ”مسیح

موعود جو آنے والا ہے اس کی علامت یہ لکھی ہے کہ وہ نبی اللہ ہوگا (ص ۷۰۱) اب یا تو مرزا صاحب اقرار کریں کہ میں نبی اللہ ہوں یا تسلیم فرمائیں کہ میں مسیح موعود نہیں۔

۹- مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو

جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں ہے۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر لڑتا اور

قیامت تک غالب رہے گا۔ عیسیٰ بن مریم انہی میں نازل ہوں گے۔ گروہ کا امیر کہے گا آئیے نماز پڑھائیے حضرت عیسیٰ فرمائیں گے نہیں تم آپس میں ایک دوسرے کے

امیر ہو۔ یہ خدا نے اس امت کو اکرام دیا ہے۔“ یہ حدیث چاہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ

کا نزول اس گروہ میں ہو، جو شروع زمانہ اسلام سے لے کر مسیح کے آنے تک حق کے لیے جنگ و قتال کرنے والا اور اپنے جنگ و غزائے نصرت و فیروزی رکھنے والا ہو۔

حدیث کا یہ بھی مطلب ہے کہ نزول عیسیٰ سے پہلے ایک ایسا امیر مسلمانوں میں موجود

ہو۔ جس کی امارت تسلیم شدہ ہو۔ حدیث یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ اس امیر کی امارت کا

حق ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تسلیم فرمائیں اور یہی امر ظاہر کرنے کے لیے نماز

میں اس امیر کا اقتداء کریں۔

مرزا صاحب جو مسیح موعود بنتے ہیں اول یہ فرمائیں کہ ان کا نزول کون سی

جنگ جو فتیاب فرقہ میں ہوا ہے۔ دوم ان سے پہلے کون سا امیر المسلمین موجود تھا

جس کی امارت کو مرزا جی نے تسلیم کر کے اس کی اقتدا کی ہے اور اس نے بھی آپ کی

اطاعت بطوع کرنی چاہی ہے۔ ناظرین اس کا جواب مرزا صاحب ہرگز نہ دیں گے

مگر آپ یاد رکھیں کہ یہ امیر حضرت امام مہدی ہوں گے جن کا ذکر بخاری کی حدیث

عن ابی ہریرۃ میں ان الفاظ میں ہے ”وامامکم منکم“ مرزا صاحب نے ان تمام

اعتراضات سے بچنے اور ان قیود سے آزاد ہونے کے لیے اور ہی پہلو اختیار کیا ہے

وہ کہتے ہیں لامہدی الا عیسیٰ کے سوا اور کوئی مہدی ہی نہیں۔ تعجب یہ ہے کہ آپ اس کو حدیث رسول ﷺ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بڑے بڑے محدثین نے صاف لکھ دیا ہے کہ یہ ایک وضعی قول ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں اور اس کے مقابلہ میں یہ بھی علماء کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ مہدی کا ہونا، آخر زمانہ میں ظہور کرنا، رسول خدا ﷺ کی عترت اور جناب فاطمہ علیہا السلام کی اولاد سے ہونا، احادیث نبوی سے حد تو اتر کو پہنچ گیا ہے پھر انکار کے کیا معنی؟ اسی لیے آیا ہے کہ جو شخص دجال کا یا مہدی کا انکار کرے گا وہ کافر ہو جائے گا۔ رواہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السہیلی فی شرح السیر لہ۔ شرح عقائد تفتازانی میں ہے۔ لولا مہدی الا عیسیٰ پر دھوکا نہ کھاؤ یہ تو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

۱۰۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر ابن الجوزی کی حدیث شاہد ہے جس کے یہ لفظ ہیں۔ ”عیسیٰ زمین میں اتر کر بیاہ کریں گے ان کی اولاد ہوگی۔“ مرزا صاحب جو قبل از دعویٰ مسیحیت کئی شادیاں کر چکے ہیں اور ان کی اولاد خدا کے فضل سے اس وقت نوکر چاکر بھی ہے وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔

۱۱۔ مرزا صاحب کے مسیح موعود نہ ہونے پر حدیث ابی ہریرہ جو احمد اور ابن جریر کے نزدیک ہے، شاہد ہے کہ حضرت مسیح مقام روحاء میں آکر حج و عمرہ کریں گے۔ میں نہایت جزم کے ساتھ باواز بلند کہتا ہوں کہ حج بیت اللہ مرزا صاحب کے نصیب میں نہیں۔ میری اس پیشگوئی کو سب صاحب یاد رکھیں۔

ناظرین میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ کو یہ مضمون پڑھ کر معلوم اور یقین ہو گیا ہے کہ کیا ان علامات کے اعتبار سے جن کو مرزا صاحب نے علامات مسیح موعود قرار دے کر پھر ان کی تطبیق اپنی ذات پر کرنے میں سعی مذبوح کی ہے اور کیا ان علامات سے جن کا علامات مسیح ہونا ہمارے سید و مولیٰ محمد رسول اللہ ﷺ نے ظاہر فرمایا ہے۔ غرض بہر طور اور بہر صورت ثابت ہو گیا کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہرگز نہیں ہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ خیر گو مرزا صاحب کا

مسح موعود نہ ہونا تم نے ثابت کر دیا۔ مگر مثیل مسح نہ ہونے کی منافی تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تو شاید مثیل مسح تو وہ ضرور ہی ہوں۔“ ناظرین یہ بھی اس شخص کا وہم ہی ہے۔ اور ٹھیک یہی مثال رکھتا ہے کہ کوئی مجرم گاؤں میں اپنے آپ کو تھانہ دار ظاہر کرے اور لوگوں سے نذریں وغیرہ لے کر آگے چل دیے۔ تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے کہ وہ تھانہ دار نہ تھا اس کے مقابلہ میں نذر پیش کرنے والے رفع ندامت کے لیے کہیں خیر اگر تھانہ دار نہ تھا تو کنسٹبل تو ضرور ہی ہوگا مگر تھانہ کوئی ضرور۔ حاصل یہ ہے کہ ایمان اور صداقت اور راست بیانی ایسے اوصاف ہیں کہ جب ان کی نفی ہو جاتی ہے تو آدمی میں کوئی صفت بھی باقی نہیں رہتی۔ مماثلت پر مفصل بحث ہماری کتاب غایت المرام میں ہے۔

اسی مضمون کے خاتمہ پر میں مرزا صاحب کے مضمون ”قریب تر بامن وزدیک تر بسعادت“ کون لوگ ہیں۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے اس عاجز کا مسح موعود ہونا مان لیا ہے۔ یا وہ لوگ جو منکر ہو گئے“ پر بھی کچھ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ اس مضمون میں مرزا صاحب کے معتقدین اور مبائعین کو جوانوار و برکات حاصل ہوئی ہیں ان کا بیان کیا ہے۔ تمہیدی الفاظ میں ہی لکھا ہے وہ لوگ ہر ایک خطرہ کی حالت سے محفوظ و معصوم ہیں۔

ناظرین انہی الفاظ پر غور کرو ہر ایک خطرہ سے محفوظ ہونے والے اور معصوم بننے والے یہ کون مقام خوف دہ مقام ہے کہ بڑے اولوالعزم رسول ہیبت و خوف سے کانپا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا تصفیہ فرمادیا ہے:

﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾

سورہ یوسف میں ہے:

﴿وَمَا أَتَّبِعُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾

”میں اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتا کیوں کہ نفس تو ہمیشہ برائی کا ہی حکم دیتا ہے۔“ عثمان بن مظعون کے جنازہ پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا واللہ لا ادری

والله لا ادرى وانا رسول الله مايفعل بى ولا بكم “بخدا میں نہیں جانتا بخدا میں نہیں جانتا حالانکہ میں رسول خدا ہوں کہ میرے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا؟ ابن مسعود کی حدیث میں ہے:

الجنة اقرب الى احدكم من شراك نعله والذئب مثل ذلك

(رواہ البخاری)

”بہشت اور دوزخ تو تمہارے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ تم سے قریب تر ہیں۔“

حضرت انس کی حدیث میں ہے: تم وہ عمل کرتے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے بھی زیادہ تباریک ہیں۔ ہم ان کو عہد رسول اللہ ﷺ میں مہلکات سے شمار کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

یہ ارشادات ان مقتدایان ملت اور انبیاء کرام کے ہیں جن کی عصمت پر نص قطعی موجود ہے جن کا کوئی لمحہ کوئی لحظہ خوف اور خشیت خدا اور نیم ورجا سے خالی نہ ہوتا تھا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں، واللہ اگر تم جان لو۔ تو ہنسو کم اور گریہ کر دو بہت عورتوں سے فرش پر لذات نہ پاؤ۔ راہوں میں نکل بھاگو اور خدا سے فریاد کرو (ترمذی عن ابی ذر) باوجود ایسے نصوص شرعیہ و قطعہ کے اگر کوئی شخص اپنے آپ کو خطرہ سے محفوظ سمجھتا ہے تو بحکم آیت خاسرین میں داخل ہے۔ اب رہا مریدان جناب کا خطرہ سے معصوم ہو جانا یہ خاصہ انبیاء کا ہے اور وہ باوجود معصوم ہونے کے بھی ڈرتے رہے ہیں۔ اول آپ نے عاجز گنہگار بندوں کو معصوم بتایا اور پھر خشیہ اور خوف کی صفت خالی کر کے ان کو ہلاکت کے قریب کر دیا۔ جس طرح نصاریٰ فضل پر بھروسہ کر کے بیٹھ گئے۔ صدق اعمال ان سے اٹھ گیا۔ حسن عبادت جاتا رہا۔ وہی حال ان بے چاروں کا بھی ہونے والا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہو رہا ہے میں تو مرزا صاحب کے جتنے مریدوں سے واقف ہوں اور بیعت سے پہلے کی واقفیت رکھتا ہوں ان کی حالت ماسبق و مابعد پر اکثر احتیاط اور غور سے فکر کیا کرتا

ہوں تو ان کو بدترین حالت میں پاتا ہوں۔ ان میں سنن ہدی بہت کم نظر آتے ہیں۔ اوقات صلوٰۃ کے بھی پابند نہیں ہوتے۔ خیر اب ناظرین ان انوار و برکات کی تفصیل سنیں جو مرزا صاحب نے فرمائی ہیں۔

۱۔ ان لوگوں نے اپنے بھائی پر حسن ظن کیا ہے اور اس کو مفتری یا کذاب نہیں ٹھہرایا اور اس کی نسبت طرح طرح کے شکوک فاسدہ کو دل میں جگہ نہیں دی۔ اس وجہ سے اس ثواب کا انہیں استحقاق ہوا کہ جو بھائی پر نیک ظن رکھنے کی حالت میں ملتا ہے۔“

ناظرین حسن ظن ایک عمدہ صفت ہے اور بیشک ہر مسلمان کو ہر مسلمان پر ہونی چاہئے مگر حسن ظن اس کا نام نہیں ہے کہ ایک شخص پر حسن ظن کرتے کرتے تمام سلف و خلف صلحاء و علماء سے سوء ظنی پیدا ہو جائے۔ اور صرف ایک شخص کو مفتری یا کذاب نہ کہنے کے لیے صحابہ اور تابعین تک کو ملحد و مخرف تسلیم کر لیا جائے۔

میں سچ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب سے حسن ظن اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب جملہ مفسرین و محدثین فقہاء و تابعین ائمہ و صحابہ اجمعین کی طرف سے سخت شکوک اور بدظنیوں کو دل میں مستحکم کر لیا جائے۔ اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت حدیث کے ساتھ **وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ** سے حیات عیسیٰ ثابت کرتے ہیں تو کیا کریں۔

اگر ابن جریر و ابن کثیر و امام احمد باسناد صحیح ابن عباس سے اس آیت **إِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ** میں حیات اور نزول مسیح بیان کرتے ہیں تو خیر وہ بھی بیان کیا کریں۔

اگر ضحاک اور قتادہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے **﴿إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ﴾** کے معنی **﴿رَافِعُكَ ثُمَّ مُتَوَفِّيكَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ﴾** روایت کرتے ہیں۔ تو خیر وہ بھی روایت کرتے رہیں۔

اگر امام حاکم و ابن مردویہ، طبرانی اور ابن ابی حاتم حضرت ابن عباس سے **إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلْمَسَاحَةِ** میں نزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامت کی تفسیر کرتے ہیں، تو خیر یہ بزرگوار بھی اپنی کتابیں اپنے پاس رہنے دیں۔

اگر عبد بن حمید نے اِنَّهُ لَعَلَّمِ لِلسَّاعَةِ میں ابو ہریرہ کا مذہب بھی یہی نقل کیا ہے کہ قبل از قیامت حضرت مسیح تشریف فرمائے دنیا ہوں گے تو وہ بھی اس نقل کو اپنے پاس رکھ چھوڑیں۔

اگر رئیس المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سند مفصل و صحیح کے ساتھ حضرت امام حسن بصری سے جو جملہ اہل کشف و شہود اولیا و علماء کے امام و سرگروہ ہیں۔ ﴿اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ میں حیات عیسیٰ بیان کرتے ہوں اور واللہ انہ لحي الآن عند الله ولكن اذا نزل آمنوا به اجمعون فرماتے ہوں، جس کا ترجمہ یہ ہے بخدا حضرت عیسیٰ اس وقت خدا کے پاس ضروری ہی زندہ ہیں۔ مگر جب نازل ہوں گے تو سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے تو خیر قسم کھایا کریں۔

اگر کعب احبار، قتادہ، مجاہد آیات بالا میں نزول اور حیات مسیح ثابت کرتے ہوں، تو کیا کریں۔

اگر معالم و بیضاوی، کشاف و درمنثور و بحر مواج وغیرہ آیات صدر میں معانی بالا پر جزم کرتے ہوں تو کیا کریں۔

اگر سلف و خلف کا اجماع و اتفاق اسی عقیدہ پر رہا ہو تو ہوا کرے۔
اگر خروج دجال کی احادیث کے راوی ۳۵ صحابہ ہوں تو ہوا کریں۔ اگر قتل دجال و نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث کے راوی ۱۳ صحابہ ہوں تو خیر۔

مگر وہ حسن ظن جو ایک بھائی کو بھائی سے ہونا چاہئے وہ مانع ہے کہ مرزا صاحب کو کاذب اور مفتری خیال کیا جائے۔ مرد آدمی حسن ظن کے یہ معنی کس نے کئے ہیں کہ تمام جہان کے عقلاء ملت علماء دین ایک طرف ہوں اور ایک مدعی ایک طرف پھر بھی وہ حسن ظن ہی چلا جائے۔ یقین رکھئے کہ یہ بہت بڑی خرابی ہے جو واقع ہو رہی ہے۔ اس کا انجام بخیر ہرگز نہیں ہو سکتا۔

مرزا صاحب اس کے بعد دوسری خوبی یہ بتلاتے ہیں: ”دوسری یہ کہ وہ حق

کے قبول کرنے کے وقت ملامت کنندہ کی ملامت سے نہیں ڈرے اور نہ نفسانی جذبات ان پر غالب ہو سکے۔ اس وجہ وہ ثواب کے مستحق ٹھہر گئے کہ انہوں نے دعوتِ حق کو پا کر اور ایک ربانی مناد کی آواز سن کر پیغام کو قبول کر لیا اور کسی طرح کی روک سے رک نہیں سکے۔ ازالہ ص ۱۸۰

ناظرین حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمان صدق دل سے اعتقاد رکھتے ہیں کہ داعی الی اللہ اور ربانی مناد محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور آنحضرت کے ان دونوں مراتب رفیعہ کا ذکر قرآن مجید میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے: ﴿يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرَ لَكُم مِّنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ دوسری جگہ ہے: ﴿وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا﴾

حدیث میں ہے فالداعی محمد والمادبة الجنة ربانی مناد کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾

پس جن لوگوں نے محمد ﷺ کو داعی الی اللہ قبول کر کے اس کی دعوتِ حق کو قبول کر لیا ہے اور احمد مصطفیٰ ﷺ کو ربانی مناد صدق دل سے جان کر ان کی ندا کو گوش جان سے سن لیا ہے، وہ مجبور ہیں کہ کسی اور کو داعی الی اللہ سمجھیں۔ یا اس کی دعوت کو دعوتِ حق قرار دیں چونکہ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی دعوتِ حق نہیں کر سکا اور کسی کی ندا اس مبارک ندا سے زیادہ شیریں اور روح بخش نہیں ثابت ہوئی۔ اس لیے اس مبارک دعوت اور ندا کے بعد اور جتنی دعوتیں اور ندائیں ہیں وہ سب گمراہی اور ضلالت کی دعوت اور ندائیں ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔ پس یہ دوسری مصیبت ہے جو مبائعین مرزا صاحب پر نازل ہو چکی اور نازل ہو رہی ہے جس مصیبت کا گرنا ان کو برف باری

کی طرح خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر میں وہ خوش آئندہ منظر مہلک ثابت ہوگا۔ تیسری بات مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ پیش گوئی کے مصداق پر ایمان لانے کی وجہ سے وہ ان تمام وساوس سے مخلصی پا گئے کہ جو انتظار کرتے کرتے ایک دن پیدا ہو جاتے ہیں اور آخر یاس کی حالت میں ایمان دور ہو جانے کا موجب ٹھہرتے ہیں“ (ازالہ ص ۱۸۰)

ناظرین یہ تیسری برکت ہے جو مبائعین کو مرزا صاحب سے حاصل ہوئی اگر حضرت کے مبائعین کا ایمان یہی ہے کہ وہ ہر چیز پر مشاہدہ کے بغیر ایمان نہیں لاسکتے۔ اگر مبائعین کی اتنی ہی عقل ہے کہ وہ ہر ایک پیش گوئی کو جو ان کے عہد حیات میں پوری نہ ہو..... قبول نہیں کر سکتے اور اگر وہ ایسے دل کے بودے، طبیعت کے کمزور، ایمان کے کچے ہیں کہ خدا کے وعدوں اور مصلحتوں اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادوں کو وہ اپنی پیدا شدہ وساوس کا دافع نہیں جانتے۔ تب مرزا صاحب بخوبی یقین رکھیں۔ کہ وہ ان لوگوں کو وساوس سے مخلصی نہیں دے سکتے اور ان کا ایمان جو حالت یاس سے دور ہونے لگ گیا ہے، قائم نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ مسیح موعود کی پیش گوئی پر جب یہ وساوس کرنے اور پھر ایمان چھوڑنے لگے۔ تب تو مرزا جی نے احسان فرما کر خود دعویٰ کر دیا اور ان کی روک تھام کر لی لیکن کل کو جب یہ قیامت کے وجود پر وساوس قائم کریں گے اور وہی انتظار کی وجہ سے حالت یاس پیدا ہو کر ازالہ ایمان ان کا ایمان ہو جائے گا تب مرزا جی کیا تدبیر فرمائیں گے۔ آپ کے پنجاب کی ایک مثل ہے اَجَ نَپْتٰی کَلَّ نَپْتٰی کِیْسُو پھو نے سدا نہ پھی۔ ہاں اگر حسن بن محمد بن گیاہ بزرگ امید کی آپ نے تقلید کی اور قیامت موعودہ بھی اپنے نفس ہی کو ٹھہرایا۔ تب تو کیا کہنے ہیں۔

غرض یہ تیسری مصیبت ہے کہ ایک پیش گوئی کے انتظار سے اگر آپ نے مریدان عقیدت کیش کو رہائی بخشی ہے تو اور سینکڑوں آنے والی اور ظاہر ہونے والی پیش گوئیوں کی نسبت ان کے دلوں میں وساوس اور اوہام پیدا کر دیے ہیں اور قریب

ہے کہ یہ جلد باز جب ان ربانی وعدوں کا انتظار نہ کر سکیں گے اور مصلحت الہی پر یقین نہ رکھیں گے تو سب منکر ہو جائیں گے اور وہ وقت بھی آہونچے گا جب:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

کہنے کی ان کو ضرورت پڑے گی۔

چوتھی بات مرزا جی یہ بتاتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندہ پر ایمان لا کر اس سختی اور غضب الہی سے بچ گئے جو ان نافرمانوں کے حصہ میں ہوتا ہے جن کے حصہ میں بجز تکذیب و انکار کے اور کچھ نہیں“ (ازالہ ص ۱۸۱)

ناظرین خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا بندہ یہ الفاظ عبیدہ و رسولہ کا ترجمہ ہیں اور ہم رب کریم کو شاہد بنا کر صدق دل سے پڑھتے ہیں نشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد ان محمدا عبیدہ و رسولہ۔ ہمارا ایمان ہے کہ محمد ﷺ کے بعد جو شخص اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا بندہ کہتا ہے وہ اس حدیث کا مورد ہے سیکون فی امتی دجالون کذابون کلہم یزعم انہ نبی اللہ پس یہ چوتھی مصیبت ہے جو مرزا جی کے مبائعین پر نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا مان کر آیت خاتم النبیین کا انکار کیا اور اس انکار سے اس مشقت اور غضب الہی کے مستوجب ٹھہر گئے جو محمد رسول اللہ کی نبوت کے منکرین کے لیے ہے، مرزا صاحب !!! اگر ہر دعویٰ کرنے والا زبان دراز محض ادعا اور زبان درازی سے خدا تعالیٰ کا نبی بن سکتا ہے تب آپ سباح اور میلہ اور اسود کا کیوں انکار کرتے ہیں۔

پانچویں بات مرزا جی نے یہ بتائی کہ وہ ان فیوض اور برکات کے مستحق ٹھہر گئے جو ان مخلص لوگوں پر نازل ہوتے ہیں جو حسن ظن سے اس شخص کو قبول کر لیتے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

یہ وہ فوائد ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ ان سعید لوگوں کو بفضلہ تعالیٰ ملیں گے جنہوں نے اس عاجز کو قبول کر لیا ہے لیکن جو لوگ قبول نہیں کرتے وہ ان تمام

سعادتوں سے محروم ہیں (ازالہ ص ۱۸۱)

مرزا صاحب یہ پانچویں برکت تو وہی ہے جو پہلی تھی۔ آپ نے خواہ مخواہ ۱۵ سطروں کے بعد اس کو نئی برکت بنانا چاہا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ آپ کے وجود باوجود سے مباحین کو جو فیوض و برکات حاصل ہونے والے ہیں۔ (بزمانہ مستقبل) ان کی تفصیل و تشریح آپ نے خود ہی فرمادی۔ جناب یہ تو وہ فوائد ہیں جو برہم سماجیوں کو کیشپ چندر سین سے اور دیودھر میوں کو اگنی ہوتری لاہوری سے، دتے شاہیوں کو اپنے پیر سے، آریہ کو دیانند سرستی سے حاصل ہو چکی ہیں۔ اس میں مسیح موعودی نے کیا طرہ لگا دیا۔ اب آپ اگر ان سعادتوں کی تفصیل معلوم کرنا چاہیں۔ جو آپ کو قبول نہ کرنے والوں اور رد کردینے والوں کو پہلے سے حاصل و شامل ہیں اور آپ کے انکار سے اور زیادہ ہو گئے ہیں، تو میں سچ کہتا ہوں کہ ان کی تفصیل کے لیے دفتر ضخیم بھی کافی نہیں۔ سب سعادت سے اعلیٰ و افضل، اجمل و اکمل اتباع سنت نبوی کی سعادت ہے جس کے لیے قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾

تیز یہ ارشاد ہے:

﴿إِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ یعنی محمد ﷺ کی اطاعت کرو گے تب ہدایت

پاؤ گے۔

مرزا صاحب آپ نے دافع الوسوس میں ﴿بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے ہر ایک مدعی اسلام کے لیے فنا و بقا کے مدارج کا ذکر فرمایا ہے۔ خیر مدعی اسلام تو برطرف میں گستاخانہ سوال کرتا ہوں کہ آپ کے مریدان باعقیدت کو یہ مراتب کیوں حاصل نہیں ہوئے اور ان انوار و برکات سے کس لیے محروم رہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وسوس میں ان مضامین کو صوفیہ کی کتابوں سے اخذ کر کے لکھ تو دیا۔ ورنہ نہ خود آپ کو یہ منصب حاصل ہے اور نہ تاحشر آپ کے کسی متبع اور معتقد کو، ان ہر سہ مراتب میں سے کوئی مرتبہ مل سکتا یا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ آپ

سچے ہیں تو اقتداری کن کا جلوہ خود دکھلائیں یا کسی مرید کو پیش کریں۔
 پیارے ناظرین! اس مضمون کو غور سے ملاحظہ فرمائیں حق تعالیٰ آپ کی
 بصیرت کو زیادہ کرے۔ مرزا صاحب کو اپنے مسیح موعود ہونے کے دعویٰ میں اتنا تو غل
 ہے کہ انہوں نے یہ بھی لکھ مارا: ”اگر یہ عاجز مسیح موعود ہونے کے دعویٰ میں غلطی پر
 ہے تو پھر آپ لوگ کچھ کوشش کریں کہ مسیح موعود جو آپ کے خیال میں ہے انہی
 دنوں میں آسمان سے اتر آوے کیوں کہ میں تو اس وقت موجود ہوں مگر جس کے
 انتظار میں آپ لوگ ہیں وہ موجود نہیں۔ اور میرے دعویٰ کا ٹوٹنا صرف اسی صورت
 میں متصور ہے کہ اب وہ آسمان سے اتر ہی آوے تاکہ میں ملزم ٹھہر سکوں۔ آپ
 لوگ اگر سچ پر ہیں تو سب مل کر دعا کریں کہ مسیح بن مریم جلد آسمان سے اترتے
 دکھائی دیں“ (ازالہ ص ۱۵۵)

مرزا صاحب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت کے ساتھ
 ہیں اور ہر چیز کا اس نے اندازہ کر رکھا اور ہر کام کا ایک وقت مقرر فرما دیا ہے۔ اس کا
 کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، کوئی چیز اندازہ سے باہر نہیں، کوئی کام ایک ساعت
 آگے یا پیچھے نہیں ہوتا۔ ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح نازل ہوں گے خواہ ہم شرف
 زیارت سے مشرف ہوں یا اس مسعود وقت سے پہلے اپنے انفاس حیات پورے
 کر کے تہہ خاک چلے جائیں۔ بہر حال ہم کو نزول مسیح پر وہی ایمان ہے جس کو سیدنا
 علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے لَوْ كَشَفَ الْغُطَاءُ
 لَمَا اَزَدَتْ يَقِينًا۔ اب رہا آپ کا فرمانا مسیح کو جلد بلاو، ابھی بلاو اسی زمانہ میں
 بلاو۔ اس کے جواب میں ہم صرف وہی آیات پڑھ دینا کافی سمجھتے ہیں جو منکرین
 قیامت کی ایسی ایسی بیہودہ گویوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تعلیم
 فرمائی:

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾
 ”کہتے ہیں یہ وعدہ کب کا ہے (اور کہاں ہے) اگر تم سچے ہو۔“

﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ﴾

”کہدے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں ظاہر۔ پھر جب دیکھیں گے کہ وہ ان سے نزدیک ہے تب نافرمانوں کے منہ بُرے بُرے ہو جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے جو تم اس وقت مانگتے تھے۔“

ناظرین مرزا صاحب یہاں بھی اپنی چالاکی سے نہیں چوکے اور اس اعتراض کا کہ ”وعا سے مسیح کا اترنا ضروری ہے۔ جواب خود ہی دینا چاہا ہے۔“ اگر کوئی کہے کہ اہل حق کی دعا اہل باطل کے مقابل پر قبول ہونی ضروری نہیں۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ ہندوؤں کے مقابل پر مسلمانوں کی دعا قیامت کے بارہ میں قبول ہو کر ابھی قیامت آجائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گزرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی اور ضرور ہے کہ خدا اُسے روکے رہے۔ جب تک وہ ساری علامتیں کامل طور پر ظاہر نہ ہو جائیں۔ جو حدیثوں میں لکھی گئی ہیں۔ لیکن مسیح کے ظہور کا وقت تو یہی ہے اور وہ تمام علامتیں بھی پیدا ہو گئیں، جن کا مسیح کے وقت پیدا ہونا ضروری تھا۔“ (ازالہ ص ۴۶۳) اس بیان میں ہمارے اعتراض کو مرزا صاحب درحقیقت اٹھا نہیں سکے۔ بلکہ دو اور مغالطے لکھ مارے:

۱۔ ”یہ مقرر ہو چکا ہے کہ قیامت سات ہزار برس گزرنے سے پہلے واقع نہیں ہو سکتی۔“ اس فقرہ میں آپ نے نصوص قطعیہ فرقانیہ اور احادیث نبویہ کا بھی خلاف کیا اور اللہ تعالیٰ کے مکر و غضب سے لوگوں کو بے خوف کر دینا بھی چاہا۔ قرآن مجید کی دربارہ قیامت یہ تعلیم ہے: ﴿لَا يَجْلِيهَا لَوْقَتَهَا إِلَّا هُوَ﴾ اور حدیث جبریل میں آنحضرت کا یہ ارشاد موجود ہے: مَا الْمَسْئَلُ عَنْهَا اَعْلَمُ مِنَ السَّائِلِ یعنی اسے جبریل جیسی تمہیں خبر نہیں ویسی مجھے بھی نہیں کہ قیامت کب ہوگی۔ دوسری حدیث میں

ہے اسرافیل صور کو منہ سے لگائے، ایک پاؤں پیچھے ایک آگے کئے ہوئے کھڑا ہے، کان آواز پر لگے ہوئے ہیں اور آنکھیں عرش کی جانب اٹھ رہی ہیں۔ کیا جانے کس وقت حکم آ پہنچے۔ پس مرزا صاحب نے سات ہزار برس سے پہلے قیامت نہ آسکنے کا عقیدہ بالکل اسلام کے خلاف بیان کیا ہے۔

۲۔ دوسرا مغالطہ آپ کا یہ ہے کہ ابن مریم کے آنے کی علامات پوری ہو چکی ہیں۔ جن لوگوں کی احادیث پر نظر ہے یا جنہوں نے کم از کم غایت المرام میں ہمارا مضمون ”زمانہ نزول مسیح“ اور اس رسالہ میں مضمون ”امام محمد بن عبد اللہ المہدی“ پڑھا ہے۔ وہ آپ کے قول کی تکذیب بخوبی کر سکتے ہیں اور حاصل کلام جس پر اس مضمون کا خاتمہ ہے یہ ہے کہ آپ نے مسیح موعود ہونے کا نہ کوئی ثبوت ہی پیش کیا اور نہ مسیح موعود کی صفات کا اپنے اندر ہونا ہی ثابت کر دکھلایا۔ غرض کیا ان دلائل کی قوت سے جو مسیح موعود کے بارہ میں ہم اپنے پاس رکھتے ہیں اور کیا ان اباطیل کی لغویت سے جو آپ نے اس بارہ میں پیش کی ہیں، بخوبی ظاہر ہو گیا کہ آپ مسیح موعود ہرگز نہیں اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث میں سے ایک لفظ بھی مرزا جی کے پاس موجود نہیں۔



الہام و مکاشفہ

لغت میں الہام کسی شخص کے حلق میں کھانا ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح پر کہ اس شخص کو ہونٹ اور دانت ہلانے نہ پڑیں۔ اب اصطلاح شرعی میں الہام کسی امر کے اس داعیہ کو کہتے ہیں جو دل میں کسی پہلے فکر کے بغیر پیدا ہو۔

الہام ربانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی (ازالہ ۶۲۸) پس اس لیے کہ الہام ربانی اور شیطانی دونوں قسموں کا ہوتا ہے۔ بزرگان دین نے اس کی شناخت کے لیے ایک معیار قائم کیا ہے۔ یعنی کتاب اور سنت۔ اور قرار دیا ہے کہ جب تک اس کی آزمائش نہ کر لی جائے تب تک الہام کو ربانی الہام کہنے کی جرأت نہ کرنی چاہئے۔

الہام کی یہ تعریف جو ہم نے کی ہے۔ ایسی واضح ہے جس پر تمام سلف و خلف کا اتفاق ہے اور وہ بزرگ جن کی تحقیقات شریف تصوف اور علم میں تازگی کی روح ڈالنے والی ہے، سب کے سب ایسے ہی الفاظ لکھ گئے ہیں۔

نبیہی وقت قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ ”ارشاد الطالین“ میں لکھتے ہیں کہ الہام اولیاء موجب علم غنی ہے۔ اور اگر دو ولیوں کا کسی ایک الہام میں اتفاق کلی ہو جائے تو اس کا درجہ ظن غالب کا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ولی کا کشف اور الہام کسی حدیث کے جو احاد میں سے ہو، بلکہ کسی قیاس کے جو شرائط قیاس کا جامع ہو، مخالف ہوگا تب اس جگہ حدیث کو بلکہ قیاس کو الہام پر ترجیح دینی چاہئے۔“ اس کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں یہ مسئلہ سلف اور خلف میں مجمع علیہ ہے۔

ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے: الہام پر عمل نہ کرو جب تک اس کی تصدیق آثار سے نہ ہو جائے۔ (احیاء العلوم)

پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فتوح الغیب میں لکھتے ہیں: الہام اور کشف پر عمل کرنا جائز ہے بشرطے کہ وہ قرآن اور حدیث نیز اجماع اور قیاس صحیح

کے مخالف نہ ہو۔

عروۃ الوثقیٰ خواجہ معصوم قدس سرہ اپنے مکتوب نمبر ۱۷۷ میں لکھتے ہیں کہ کشف اور منامات اور بشارات صحیحہ و صادقہ اور ان کے خلاف میں فرق کرنا دشوار ہے۔ پس ان پر اعتماد کرنا نہ چاہیے اور ان کو اتنا معتبر نہ خیال کرنا چاہیے کہ کمال معتد بہ انہی سے لگا ہوا ہے۔ بیشک اعتماد کے لائق اور نجات دینے والی تو صرف کتاب اور سنت ہے۔ پھر لکھتے ہیں جو لوگ بلند ہمت ہوتے ہیں، وہ ایسے امور کی طرف التفات نہیں کیا کرتے۔ کشف کے معنی لغت میں کھلنے اور آشکار ہونے کے ہیں۔ اصطلاح صوفیہ میں کسی ایسے امر کو جو حواس ظاہرہ کے بغیر معلوم ہو جائے کشف کہتے ہیں۔

اس کے چند اقسام ہیں:

۱۔ نوم و رویا یعنی خواب میں کسی امر کا دیکھنا۔ واضح ہو کہ منامات میں روح کے ساتھ نفس کا بھی تعلق ہوتا ہے۔ اور اس لیے اکثر خواب یا خواب کا بیشتر حصہ صحیح نہیں ہوتا۔ صرف انبیاء کرام ہی کی یہ شان ہے جن کے خواب بعینہ صحیح ہوتے ہیں اور ان میں تعبیر کی یا تو بالکل ہی ضرورت نہیں پڑتی یا بہت ہی کم جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آغاز کار نبوت میں رسول اللہ ﷺ جو خواب شب کو دیکھتے صبح کو نور صبح کی طرح اسی طرح دیکھ لیتے تھے یا جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمن نے اپنے خواب میں فرزند کو خود ذبح کرتے ہوئے دیکھا تو ذبح کا قصد مصمم کر لیا اور اس کی تعبیر نہیں کی۔ یا حضرت یوسف علیہ السلام نے کواکب و قمرین کا اپنے آپ کو معبود پایا۔ اور بھائیوں اور والدین کو سجدہ شکرانہ کرتے ہوئے ھَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ فرمادیا۔

دوم واقعہ یعنی اثناء ذکر و استغراق میں ایسی حالت آکر طاری ہو جائے کہ محسوسات غائب ہو جائیں اور بعض امور غیبی کے بعض حقائق کھل جائیں جیسے نام پر حالت نوم میں کھل جاتے ہیں۔ ان میں بھی نفس اور روح مشارک ہوتے ہیں۔ سوم مکاشفہ اس میں واقعہ کی طرح محسوسات سے غائب ہونا لازمی نہیں۔ بلکہ وہی حالت

حضور میں ہی ہو جاتی ہے اور اعلیٰ مکاشفہ کی صفت یہ ہے کہ روح انسانی غواشی بدن سے تجرد پا کر مطالعہ مغیبات میں تفرّد حاصل کرے۔ یہ تجرد اور تفرّد بھی بقدر مراتب ہوتا ہے۔ کیوں کہ کشف درحقیقت آئینہ خیال میں صورت مثال کے عکس پڑنے کا نام ہے۔ پس جس قدر زیادہ آئینہ خیال مصفا و بجلی ہوگا اسی قدر کشف بھی درست اور صادق ہوگا ورنہ نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بیہقی وقت ”ارشاد الطالبین“ میں لکھتے ہیں کہ انبیاء کے خواب بھی وحی قطعی ہیں اور اولیاء کے رویا اور کشف میں بھی خطا واقع ہوتی ہے۔

مرزا غلام احمد صاحب جن کے مجددیت اور مثلیت کی بنیاد زیادہ تر الہام و مکاشفہ پر ہے اس بارہ میں علماء صوفیہ سلف و خلف کی طرح مان چکے ہیں کہ کشف میں خطا کا احتمال بہت ہے (ازالہ ۵۶۷) شیطان اپنی شکل نوری فرشتہ کے ساتھ بدل کر بعض لوگوں کے پاس آ جاتا ہے (ازالہ ۶۲۹) ”الہام ولایت یا الہام عامہ مومنین بجز موافقت و مطابقت قرآن کریم کے حجت نہیں (ازالہ ۶۲۹) بلکہ مرزا صاحب تو انبیاء کے الہامات اور اولوالعزم رسولوں کے مکاشفات کو بھی صحیح اور قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں بلکہ جائز رکھتے ہیں کہ سید الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا کشف بھی ایسا مکدر ہو کہ حقائق غیبیہ کا ظہور اس کشف کے خلاف ہو۔ انبیاء کے الہامات صحیح نہ ہونے پر آپ نے ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھا ہے۔ ”مجموعہ توریت میں سے سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹ میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں (۱) چار سونبی نے اس کی فتح کے بارہ میں پیش گوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی۔ بلکہ وہ اسی

☆ حاشیہ: ۱: معشر مسلمین ناظرین باتمکین! جب میں نے ازالہ میں یہ مقام پڑھا تو اس وقت جو کچھ میرے دل پر گذرا میں اس کا بیان نہیں کر سکتا۔ میں حیران تھا کہ ایک وقت اور ایک جگہ میں چار سونبی کیوں مبعوث ہوئے تھے اور انبیاء کے اتنے جم غفیر کا ایک متفقہ الہام میں کاذب نکلنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جب ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ایک نبی کے ایک رویا، الہام، کشف میں بھی کذب کا احتمال تک نہیں پھر زیادہ حیرت بخش

میدان میں مارا گیا۔“ اس حوالہ توریت کے بعد انبیاء کا اپنی پیش گوئی میں جھوٹے

بقیہ حاشیہ: مرزا صاحب کی یہ عبارت تھی کہ دراصل وہ الہام ایک ناپاک روح یعنی شیطان کی طرف سے تھا کہ کیوں کر انبیاء کرام پر وحی شیطانی کا نزول ہو سکتا ہے اور کیوں کر یہ ممکن یا قرین قیاس ہے کہ سینکڑوں نبی شیطانی الہام کے دھوکے میں آجائیں اور ایسے کہ اسے ربانی بھی سمجھ لیں۔ میں جس قدر زیادہ ان الفاظ پر غور و تدبر کرتا تھا، اسی قدر زیادہ میری حیرانی و پریشانی اور سراسمگی بڑھتی جاتی تھی۔ مجھے بار بار یہی خیال آتا تھا کہ اس مقام پر احبار یہود نے لفظی و معنوی تحریف کی ہے مگر ایسا یقین کرنے کے لیے بھی میرے پاس کوئی دلیل نہ تھی۔ آخر میں نے بائبل لی..... اور سلاطین اول کو ابتدا سے لے کر آخر سلاطین دوم تک تمام و کمال پڑھا۔ الحمد للہ کہ میری تمام حیرانی و پریشانی جاتی رہی اور مجھے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس مقام میں تحریف بھی نہیں بلکہ صرف جناب مرزا صاحب کے تجدد طبع کا نتیجہ ہے؟ نہ انبیاء الہی میں سے کسی نبی نے کسی بادشاہ کو فتح کی خبر دی، نہ ان کا الہام غلط ہی ہوا اور نہ کسی نبی نے شیطانی الہام کو دھوکا کھا کر ربانی ہی سمجھا؟ مرزا صاحب نے اس جگہ توریت کو بالکل الٹ پلٹ دیا ہے اور اس موقع پر ان بے باک اور نڈر یہودیوں کی یاد کو تازہ کر دیا ہے جن کی شان میں ﴿يَحْرَفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ نازل ہوا تھا۔ دیکھو سلاطین اول باب ۱۶ اور ۲۹۔ سلاطین میں قصہ یہ ہے کہ قوم بنی اسرائیل میں سے ایک بادشاہ کا نام انی اب اور اس کی بیگم کا نام ایزیل تھا ۳۱۔ یہ دونوں بعل بت کی پرستش کیا کرتے تھے دیکھو درس ۳۱۔ بادشاہ پسندی سے بہت سے پوجاری اپنے آپ کو بعل کے نبی کہلاتے تھے۔ جن میں سے ساڑھے چار سو اس بت کے مندر پر حاضر رہتے اور چار سو بادشاہ کے دار الخلافہ میں، جن کے رہنے کے لیے نہایت سرسبز باغ مقرر کیے گئے تھے اور ان کو خاص بیگم کے دسترخوان پر کھانا ملتا تھا۔ جب اس بادشاہ نے اپنے دشمن پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو ان چار سو بعل کے نبیوں سے (کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو بعل کے نبی کہتے اور کہلاتے تھے) اس بارہ میں دریافت کیا۔ سب نے بتلایا کہ وہ فوج کشی کرے فتح پائے گا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا ان نبیوں کے سوا اگر

نکٹنے کا سبب اسی صفحہ پر مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ ”اس کا سبب یہ تھا کہ دراصل

بقیہ حاشیہ: کوئی اور بھی نبوت کا دعویٰ کرتا ہو تو اس سے بلا کر بھی دریافت کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت ایلیاہ علیہ السلام بلائے گئے اور انہوں نے آتے ہی بادشاہ کو کہہ دیا۔ سلاطین ۱- باب ۱۸- درس ۲۲ خدا کے نبیوں میں سے ہاں صرف میں ہی باقی ہوں۔“ اور یہ بھی بادشاہ کو کہا۔ سلاطین ۱- باب ۱۸ درس ۱۹۔ بعل کے ساڑھے چار سو نبیوں کو اور گھنے باغوں کے چار سو نبیوں کو جو ایزیل کے دسترخوان پر کھاتے ہیں کوہ کرمل پر مجھ پاس اکٹھا کر۔“ اور پھر ان سب بعل کے نبیوں کے خلاف آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کی بیگم نے فلاں غریب ہمسایہ کی زمین جو رستم سے لے کر اور اس کو تہمت دے کر قتل کرایا ہے۔ اس لیے جس جگہ پر کتوں نے نبات (ہمسایہ کا نام ہے) کا لہو چانا ہے اسی جگہ تیرا بھی لہو کتنے چائیں گے۔ باب ۲۱- درس ۱۹ سلاطین اول۔ خدا (تیری بیگم) ایزیل کے حق میں بھی فرماتا ہے کہ یزاعیل کی دیوار کے پاس اس کو کتے کھائیں گے ۲۳۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بعل پرست بادشاہ کو جس کو بعل کے نبیوں نے فتح کی اور خدا کے نبی نے شکست اور قتل و ذلت کی خبر دی تھی شکست و قتل و ذلت مع اس کی بیگم کے نصیب ہوئی۔ سلاطین اول کے باب ۱۸ درس ۴ میں یہ بھی ہے کہ ایلیاہ علیہ السلام نے ان ساڑھے چار سو نبیوں کو قتل کیا علیٰ ہذا سلاطین دوم کے باب ۲۵ میں ہے کہ یا ہونے بعل کے باقی سب نبیوں کو قتل کیا اور سلاطین اول میں بعل کے ان سب نبیوں کو حضرت ایلیاہ نے معجزہ دکھانے پر مجبور کیا اور جب وہ نہ دکھائے تو خود دکھلایا۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوا کہ بائبل نے جن لوگوں کو بعل کے نبی اور کاذب بتایا ہے اور ان کا خدا کے نبی کے سامنے ذلیل اور مقتول و خوار ہونا بیان کیا ہے۔ مرزا صاحب نے پہلے تو ان کاذبوں کو خدا کے نبی قرار دیا ہے اور پھر نبی خدا بنا کر ان کو جھوٹا اور دجی شیطانی کا قبول کنندہ بتایا ہے اور اس کے بعد پھر اپنا ان پر تفوق ظاہر کیا ہے اور نہایت عجز سے لکھا ہے مگر اس عاجز کی کسی پیش گوئی میں کوئی الہامی غلطی نہیں اور تو اور میں اس جگہ مرزا صاحب کی بلاغت کی تعریف کرتا ہوں کہ عاجز کا لفظ کیسے عمدہ موقع پر تحریر کیا ہے کہ بعل کے ان نبیوں پر مرزا جی کو

وہ الہام ایک ناپاک روح کی طرف سے تھا اور نوری فرشتہ کی طرف سے نہیں تھا اور ان نبیوں نے دھوکا کھا کر ربانی سمجھ لیا تھا۔“ اسی واقعہ کا حوالہ مرزا صاحب نے رسالہ تقریر دل پذیر وفات بشیر کے صفحہ ۷ زیر حاشیہ میں بدیں الفاظ دیا ہے کہ بنی اسرائیل کے چار سونبی نے ایک بادشاہ کی فتح کی نسبت خبر دی اور وہ غلط نکلے یعنی بجائے فتح کے شکست ہوئی۔ دیکھو سلاطین اول باب ۲۲ آیت ۱۹ مگر اس عاجز کی کسی پیش گوئی میں کوئی الہامی غلطی نہیں۔“

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ مرزا صاحب کے نزدیک نہ صرف ایک بلکہ چار سونبیوں کا الہام اور وہ بھی متفقہ الہام غلط ہو سکتا ہے اور الہام شیطانی بھی ایسے زرق و برق کے ساتھ ہوا کرتا ہے کہ نبیوں کی تعداد کثیر بھی اس کے دھوکے میں آ سکتی ہے بلکہ آچکی ہے۔

اب رسولوں کی نسبت ملاحظہ فرمائیں۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں ”مسح کا مکاشفہ بہت صاف نہیں تھا۔ (ازالہ ۶۹۰) یہ دغل (شیطانی کلمہ کا) کبھی انبیاء اور رسولوں کی وحی میں بھی ہو جاتا ہے۔ (ازالہ ۶۲۸) اور سید الانبیاء ﷺ کی نسبت تحریر

بقیہ حاشیہ: فوقیت مل بھی سکتی ہے۔

افسوس ہے کہ نقل اور حوالہ کتاب میں ایسی تحریف کی جاتی ہے اور شیطانوں کا نام انبیاء رکھا جاتا ہے۔ معاذ اللہ اب ہم اصل قصہ سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کو ان کے اس بیان میں سچا بھی فرض کر لیں کہ چار سونبی پر ناپاک روح یعنی شیطان کا الہام ہوا اور انہوں نے دھوکا کھا کر اس کو ربانی بھی سمجھ لیا اور اس کو مشہور بھی کر دیا ہو۔ تو مرزا صاحب خود ہی غور فرمائیں کہ پھر ان کو اپنے الہام پر تمام امت محمدیہ ﷺ کے خلاف عقائد اور ایمانیات میں اتنا بھروسہ اور اعتبار کرنے کی کون سی وجہ ہے جب کہ ان کو نبیوں کی چار سو کی جماعت کے سامنے کمیہ و کیفیہ کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ عصاء موسیٰ کے مصنف نے قاضی صاحب مدظلہ کی اسی تحقیقات پر عقائد مرزائیہ سے توبہ کی تھی۔ (ہدایت اللہ)

فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ پر ابن مریم، دجال، یاجوج ماجوج، دابۃ الارض، دجال کے ستر باع کے گدھے کی حقیقت کاملہ اور اصل معلوم نہ ہوئی ہو۔ (مختصر) ازالہ ۶۹۱۔ ان تمام عبارات کے بعد جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اولیاء کا الہام اور کشف اور مرزا صاحب کے نزدیک انبیاء کا الہام اور کشف بھی جب حجت اور دلیل نہیں بن سکتا تو پھر ہر ایمان دار اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک عامی کا الہام کیا درجہ رکھ سکتا ہے اور اس کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ مرزا صاحب کے نزدیک گواہی اور رسل کے الہام اور مکاشفہ میں غلطی ہوتی رہی ہے مگر ان کے خیال میں یہ نہایت مشکل ہے کہ تمام افراد امت کا بھی یہی حال ہو ان کا خیال ہے کہ محدث (۱) جو امت میں سے ہی ایک فرد ہوتا ہے۔ ایسے درجہ کا شخص ہوتا ہے کہ اس کے الہام کو وحی کہنا چاہیے اور یقین کرنا چاہیے کہ رسولوں اور نبیوں کی وحی کی طرح اس کی وحی کو آمیزش شیطانی سے منزہ کیا جاتا ہے۔ (توضیح ص ۱۰۱) پھر ازالہ کے صفحہ ۹۱۳ پر لکھا ہے کہ ”محدث حالت درر بودگی میں جو کلام لذیذ لے آتا ہے وہی تو وحی الہی ہوتی ہے۔“ میں زیادہ تر اسی کی تنقیح کرنا چاہتا ہوں۔ مرزا صاحب کے اس دعویٰ پر کہ وہ بھی محدث ہیں، میں غایت المرام میں بخوبی بحث کر چکا ہوں کہ صحیحین کی حدیث مرفوع متصل اور سنن ترمذی کی حدیث صحیح اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے جس کو امام بخاری اپنی صحیح کی تعلیقات میں لائے ہیں اور ان خواص سے جن کا محدث میں ہونا لازمی ہے، یہی ثابت ہے کہ

امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سوا امت محمدیہ ﷺ میں اور کوئی محدث نہیں۔ اب اس جگہ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ آیانی الواقع محدث کی وحی (۲)

☆ حاشیہ: ۱: محدث کو مرزا صاحب نے یہ درجہ عطا فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود محدث ہونے کا دعویٰ ہے۔ فقط۔

☆ حاشیہ: ۲: محدث کے الہام کا نام وحی رکھنا یہ بھی مرزا صاحب کا ہی کام ہے ورنہ اسلام نے لفظ وحی کا استعمال خاص انبیاء کے لیے کیا ہے۔

آمیزش شیطانی سے پاک ہوتی ہے (جیسا کہ مرزا صاحب کا اعتقاد ہے) یا نہیں (جیسا کہ جمہور سے مروی ہے)

اس بارہ میں کتاب الفرقان میں اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان سے میں ایک فصل کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

”ولی خدا کی شروط میں سے یہ بات نہیں کہ وہ معصوم ہو اور غلطی یا خطانہ کرے بلکہ جائز ہے کہ علم شریعت کا کوئی حصہ اس سے مخفی رہے اور بعض امور دین اس پر مشتبہ رہیں۔ حتیٰ کہ بعض ممنوع امور کو مامور بہ خیال کر بیٹھے۔ یا وہ بعض خوراق کو کرامات اولیاء میں سے شمار کرنے لگے۔ حالانکہ وہ شیطانی ہوں اور شیطان نے اس کو ناقص کرنے کے لیے تلخیص کردی ہو اور اس بندہ خدا کو اس امر کی آگاہی بھی نہ ہو اور بایں ہمہ اس کی ولایت الہی میں کچھ فرق بھی نہ آئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امت محمدیہ کی خطا و نسیان سے درگزر کی گئی ہے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ ولی خدا سے غلطی کرنا جائز ہے تو ہم کو ضرور نہیں کہ اس ولی خدا کی تمام باتوں کا یقین بھی کر لیا کریں۔ یہ تو نبی کا درجہ ہے بلکہ ولی کو بھی جائز نہیں کہ اگر اس کے دل میں کوئی الہام آئے یا محادثہ و خطاب الہی سے وہ مشرف ہونا خیال کرے تو ان پر اعتماد بھی کر لے بلکہ اسے لازم ہے کہ اس الہام و خطاب کو احادیث نبوی کے سامنے پیش کرے۔ اگر احادیث کے موافق ہو تو قبول کرے ورنہ رد کرے اور اگر اسے یہ خبر نہ ہو کہ احادیث سے موافق ہے یا مخالف تو ان میں توقف کرنا چاہیے۔ واضح ہو کہ اس بارہ میں لوگوں کی تین صفتیں ہیں: ایک وسط میں اور دو افراط و تفریط میں ایک وہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی شخص کو ولی اللہ سمجھ لیتا ہے تو اس کے ان تمام اقوال میں جن کی نسبت ولی اللہ کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس کے دل میں خدا کی طرف سے آئے ہیں، ولی اللہ کی موافقت کر لیتا ہے اور اس کے افعال اسی کو سپرد کر دیتا ہے (خواہ کیسے ہی ہوں)۔ ایک وہ ہے کہ جب کسی نیک شخص سے کوئی ایسا قول یا فعل دیکھ پاتا ہے جو شرع کے موافق نہیں ہوتا تو اس کی ولایت کی ہی نفی کر دیتا ہے گو اس نیک کی یہ غلطی اجتہادی

غلطی ہو مگر واضح ہو کہ بہترین امور اوسط ہوتی ہے چاہیے کہ نہ اسے معصوم سمجھے اور نہ اجتہادی غلطی پر گنہگار ہی قرار دے۔ لازم ہے کہ عام اقوال میں اس کا اتباع نہ کرے اور اجتہادی غلطی (۱) کی وجہ سے کفر اور فسق کا فتویٰ نہ دیا جائے۔ واجب یہ ہے کہ اتباع صرف ان احکام میں کیا جائے جو اللہ اور رسول نے دیے ہیں۔ مگر جب کسی فقیہ کا قول مخالف شرع اور دوسرے کا موافق پائے تو اس کو یہ الزام دینا کہ یہ شرع کے خلاف کرتا ہے ٹھیک نہیں۔ کیوں کہ صحیحین میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے: **قَدْ كَانَ فِي الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُونَ فَمَا يَكُنْ فِي أُمَّتِي أَحَدٌ فَعَمَّرَ مِنْهُمْ** ”تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوتے تھے پس اگر ان میں سے کوئی ایک میری امت میں ہے تو عمر ہے) اور ترمذی میں یہ ارشاد نبوی ہے۔ **”لَوْلَمْ أُبْعَثْ فِيكُمْ لِبَعْثِ عَمْرٍ“** (اگر میں تم میں نبی نہ بنایا جاتا تو عمر بنایا جاتا) نیز ایک اور حدیث میں ہے **”أَنَّ اللَّهَ ضَرَبَ الْحَقَّ عَلَى لِسَانِ عَمْرٍ وَقَلْبِهِ“** (خدا نے عمر کے دل و زبان پر حق قائم کر دیا ہے) اسی حدیث میں ہے **”لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عَمْرٌ“** (اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے) اور روایت شعبی میں سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ **”مَا كُنَّا نَبْعَدُكَ إِلَّا بِالسَّكِينَةِ تَنْطِقُ عَلَى لِسَانِ عَمْرٍ“** (ہم اسے کچھ بعید نہ سمجھتے کہ عمر کی زبان پر سیکندہ بول رہا ہے) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے **”مَا كَانَ عَمْرٌ يَقُولُ بِشَيْءٍ أَنَّى لَارَاهُ كَذَا إِلَّا كَانَ كَمَا يَقُولُ“** (حضرت عمر جس شے کی نسبت کہتے کہ میں اسے ایسا خیال کرتا ہوں وہ ویسی ہی نکلتی) اور قیس بن خارق سے روایت ہے **”كَانُوا تَحْدِثُ أَنَّ عَمْرًا يَنْطِقُ عَلَى لِسَانِهِ مَلَكٌ“** (ہم آپس میں باتیں کیا کرتے کہ عمر کی زبان پر فرشتہ بول

☆ حاشیہ: ۱: ناظرین کو یہ یاد رہے کہ مرزا صاحب کی یہ غلطی اجتہادی غلطی نہیں۔ کیوں کہ اجتہاد تو نصوص شرعیہ کے موجود یا معلوم نہ ہونے پر کیا جاتا ہے اگر نصوص صحیحہ و قطعیہ شرعیہ کے ہوتے ہوئے کوئی شخص ان کا خلاف کرے اور اس کا نام اجتہاد رکھے تو ائمہ ملت نے قرار دیا ہے کہ ایسا شخص معاند فی الدین یعنی دین سے عداوت کرنے والا ہوتا ہے۔

رہا ہے) سیدنا عمر فاروق اکثر فرمایا کرتے تھے۔ اقربوا من افواه المطيعين واسمعوا منهم ما يقولون فانه تجلی لهم امور صادقہ۔ (اطاعت کرنے والوں کے ہونٹوں سے قریب ہو جاؤ اور جو وہ کہتے ہیں سنو کیوں کہ ان پر امور صادقہ کی تجلی ہوا کرتی ہے۔)

واضح ہو کہ ان امور صادقہ سے وہ مکاشفات مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں پر کھول دیتا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اولیاء اللہ کے مخاطبات اور مکاشفات ثابت ہیں۔ (مگر ان مخاطبات اور مکاشفات کا بمقابلہ شرع اعتبار کرنے کے لیے تم یہ خیال کرو) کہ سید الانبیاء کے بعد افضل ترین سیدنا ابوبکر اور ان کے بعد سیدنا عمر ہیں اور حدیث صحیح حضرت عمر کا محدث ہونا تعین کر چکی ہے۔ اب امت محمدیہ میں خواہ کوئی شخص محدث اور مخاطب (۱) فرض کر لیا جائے۔ بہر حال سیدنا عمر اس سے افضل و برتر ہوں گے۔ سیدنا عمر فاروق کا یہ حال تھا کہ واجبات شرعی کے موافق کام کرتے تھے اور اپنے واقعات (۲) کو احکام شرعی پر پیش کیا کرتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ ان کے الہامات اور واقعات موافق شرع نکلتے اور یہ امر ان کی فضیلت کا باعث سمجھا جاتا۔ جیسا کہ بارہا قرآن مجید حضرت عمر کی موافقت میں نازل ہوا اور بارہا رب کریم نے حضرت فاروق سے موافقت فرمائی ہے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ الہامات و واقعات خلاف شرع ثابت ہوتے تو سیدنا عمر فاروق ان سے رجوع کر لیتے۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ کے دن ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے ساتھ صلح کر لی اور صلح نامہ میں بعض ایسی شروط درج ہوئیں جس میں مسلمانوں کی بظاہر سبکی تھی تو بہت

☆ حاشیہ: ۱: اس امام نے جو لفظ ”فرض کیا جائے“ استعمال کیا ہے اس سے واضح ہے کہ ان کا مذہب بھی یہی ہے کہ سوا حضرت عمر کے اور کوئی محدث نہیں۔ جیسا کہ احادیث کا منشا ہے۔

☆ حاشیہ: ۲: لفظ واقعات علم تصوف میں کشف اور تجلیات اور واردات قلبی کو جو غیب سے ہوں کہتے ہیں۔ فقط۔

سے مسلمانوں پر یہ صلح گراں گذری۔ سیدنا عمر بھی انہی میں تھے۔ حتیٰ کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی: کیا ہم حق پر اور ہمارے اعدا باطل پر نہیں۔ فرمایا ہاں۔ عرض کی: کیا ہمارے شہید جنت میں اور کفار کے مقتول دوزخ میں نہ جائیں گے۔ فرمایا۔ ہاں۔ عرض کی: پھر کیوں ہم اپنے دین کو سبک ہونے دیں۔ اور ایسی شروط پر صلح کریں، فرمایا: میں خدا کا رسول ہوں اور ہر امر میں وہی مجھے حکم دیتا ہے اور میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ عرض کی: کیا آپ (ا) نے نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ میں پہنچیں اور طواف کریں گے فرمایا ہاں مگر کیا میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال۔ حضرت عمر نے کہا۔ نہیں۔ یہ تو نہیں فرمایا۔ پس تو یقین رکھ کہ (ہم ضرور مشرکین پر غالب آکر ایک نہ ایک دن بیت اللہ پہنچ کر طواف کریں گے۔ حضرت عمر اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور یہی تقریر کی۔ حضرت صدیق اکبر نے وہی جواب جو رسول خدا نے دیے تھے، ان کو دیے۔ حضرت عمر نے اپنے فہم سے رجوع کیا اور اس کے کفارہ میں بہت سے اعمال کیے۔ اس سے واضح ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موافقت نبوی میں سیدنا عمر سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ ایسا ہی حال وفات نبوی پر ہوا کہ حضرت عمر محدث نے انکار موت کیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب خطبہ پڑھا کہ حضور کا انتقال ہو گیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ محدث

☆ حاشیہ: ۱: مرزا صاحب نے اس قصہ سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اس تائید میں کہ پیش گوئی کے سمجھنے میں غلطی ہو جایا کرتی ہے۔ اس قصہ کا حوالہ دے کر نتیجہ نکالا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خواب کے بھر دہ پر مدینہ منورہ سے بہ نیت عمرہ و طواف چل پڑے تھے مگر اس سال مشرکین نے اجازت نہ دی اور تب معلوم ہوا کہ خواب اس سال کے متعلق نہ تھا۔ مرزا صاحب کو لازم ہے اس مکالمہ نبوی کو جو حضرت عمر کے ساتھ ہوا دیکھیں اور سمجھیں کہ سال کا تعین رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ اپنے دل میں نہ اپنے کلام میں کیا تھا اور آپ کا مکالمہ آنا صرف بتقاضائے شوق صحابہ تھا۔ لہذا آپ رسول کریم کی طرف ایسی غلط نسبت لگانے سے احتراز کریں۔ فقط۔

نے اپنے قول سے رجوع فرمایا۔ علیؑ بذا جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے آکر کہا: آپ ان سے کیوں کر قتال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے تو یوں فرمایا ہے:

”أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله واني رسول الله فإذا قالوها عصموا مني دماءهم وأموالهم إل بحقها“۔

حضرت صدیق نے فرمایا جب الایعتہما لفظ موجود ہے تو تم یاد رکھو کہ زکوٰۃ بھی اسی کا حق ہے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ اگر کوئی عہد نبوی سے ایک بچہ شتر بھی مجھ کو کم دے گا تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس تقریر کے بعد میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کے سینہ کو جنگ کے لیے کھول دیا ہے اور حق بھی یہی ہے۔ ایسے ہی اور بہت نظائر ہیں جن سے سیدنا ابوبکر کا تقدم سیدنا عمر پر ثابت ہے حالانکہ حضرت عمرؓ محدث ہیں۔ بات یہ ہے کہ صدیق کا مرتبہ محدث سے اوپر ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ صدیق جو کچھ لیتا ہے وہ رسول معصوم کے قول اور فعل سے لیا کرتا ہے مگر محدث اپنے قلب سے بھی بہت اشیا (الہام مکاشفات وغیرہ) لیا کرتا ہے اور اس لیے کہ محدث کا قلب معصوم نہیں ہوتا۔ اسے ضرور ہوتا ہے کہ اپنی واردات قلبی کو احادیث کے سامنے پیش کرے۔ یہی وجہ ہے (کہ باوجود محدث ہونے کے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ سے مشورت لیا کرتے اور مناظرہ فرمایا کرتے اور بعض امور میں دوسروں کی رائے کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے۔ علیؑ ہذا صحابہ بھی اکثر امور میں حضرت عمرؓ سے تنازع کیا کرتے تھے۔ صحابہ آپ پر کتاب اور سنت کے دلائل وارد کرتے اور آپ صحابہ پر، آپ ان لوگوں کو برابر تنازع اور بحث کرنے دیتے اور کبھی یہ نہ فرماتے کہ میں محدث، ملہم اور مخاطب من اللہ ہوں۔ اس لیے تم کو چاہیے کہ میرا قول قبول کر لو۔ اور مجھ سے معارضہ نہ کرو۔ جب حال یہ ہے تو اب خواہ کوئی شخص خود ولایت اور مخاطبت الہی کا مدعی ہو یا اس کے مرید۔ اور تجویز کرتے ہوں کہ اس کے مریدوں پر اس کے تمام اقوال و افعال کا ماننا ضروری

اور اس کی واردات کا تسلیم کر لینا بلا کتاب اور سنت سے پرکھ لینے کے لا بدی ہے تو وہ خود نیز اس کے مرید سب خاطی ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی گمراہ ہیں۔ ان کو یاد کرنا چاہیے کہ سیدنا عمر فاروق ان سب سے افضل ہیں اور امیر المومنین بھی ہیں مگر مسلمان برابر آپ سے جھگڑا کرتے اور آپ کے مقولوں کا کتاب اور سنت سے معارضہ کیا کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام امت کے ائمہ سلف وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ بجز رسول اللہ ﷺ کے اور کوئی ایسا شخص نہیں جس کا کوئی قول لیا اور چھوڑا نہ جائے کیوں کہ نبی اور ولی میں صرف یہی فرق ہے۔“

اس قدر لکھنے کے بعد ہم مرزا صاحب کو توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ اول تو آپ کا محدث ہونے کا دعویٰ ہی ایسا ہے، جس کی صحیحین اور سنن کی احادیث مرفوع و مرسل تکذیب کر رہی ہیں۔ پھر اس کے بعد جو آپ نے محدث کے یہ نو خواص قرار دیے ہیں:

- ۱- محدث (۱) بھی ایک معنی سے نبی ہی ہوتا ہے۔ گو اس کے لیے نبوت تامہ نہیں۔ تاہم جزوی طور پر وہ ایک نبی ہی ہوتا ہے۔
- ۲- کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا ایک شرف رکھتا ہے۔
- ۳- امور غیبیہ اس پر ظاہر کیے جاتے ہیں۔
- ۴- رسولوں اور نبیوں کی طرح اس کی وحی کو بھی دخل شیطان سے منزہ کیا جاتا ہے۔
- ۵- اور مغز شریعت اس پر کھولا جاتا ہے۔
- ۶- اور بعینہ انبیاء کی طرح مامور ہو کر آتا ہے۔
- ۷- اور انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باوازا بلند ظاہر کرے۔
- ۸- اور اس سے انکار کرنے والا ایک حد تک مستوجب سزا ٹھہرتا ہے۔
- ۹- اور نبوت کے معنی بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امور متذکرہ بالا اس میں

☆ حاشیہ: ۱: میں نے صرف ان صفات پر نمبر لگا دیے ہیں۔ عبارت کل مرزا صاحب کی ہے جس میں سے نہ ایک حرف کم کیا گیا۔ نہ ایک زیادہ۔ فقط۔

پائے جائیں (توضیح ص ۱۸)

پس اگر ان صفات کا محدث کی ذات میں ہونا ضروری اور لابدی ہے اور محدث وہی ہوتا ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں تو مناسب ہے کہ سب سے پیشتر آپ ان صفات کا وجود حضرت عمر فاروق میں جو بالتحقیق محدث ہیں ثابت کیجئے۔ بجائے اس کے کہ محدث کا ایک معنی سے نبی ہی ہونا آپ ثابت کر سکیں۔ میں رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد پیش کرتا ہوں: قد کان فی قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یكونوا انبیاء فان یکن فی امتی منهم احد فعمر جس میں صاف تصریح ہے کہ محدث نبی نہیں ہوتا۔ نہ ایک معنی سے نہ دو چار معنی سے۔ اس حدیث کو آپ نے بھی ازالہ ص ۹۱۳ پر درج کیا ہے اور یہی ترجمہ اس کا کیا ہے۔ اب رسولوں اور نبیوں کی طرح محدث کی وحی کا آمیزش شیطانی سے منزہ ہونا بھی تحقیق طلب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بعض ایسے حرکات سرزد ہوئے ہیں، جن کا ان کو کفارہ دینا پڑا۔ تو تفرہ کہاں رہا۔ علی ہذا بعینہ انبیاء کی طرح محدث کا مامور ہو کر آنا یہ بھی فیصلہ طلب ہے اگرچہ بعینہ کی عینیت کے معنی میری سمجھ میں آج تک نہیں آئے کیوں کہ جب عینیت ہی ہوگئی تو غیریت کے کیا معنی اور باوجود تحقیق عینیت ایک کو محدث اور دوسرے کو نبی کہنے میں تفریق کی کیا وجہ۔ مگر اس میں بھی مرزا جی کو ثابت کرنا تھا کہ حضرت عمر فاروق کب اور کیوں کر مامور ہو کر آئے تھے۔ اسی کے ساتھ مرزا صاحب کا یہ فقرہ ہے کہ بعینہ انبیاء کی طرح اس پر فرض ہوتا ہے کہ اپنے تئیں باواز بلند ظاہر کرے۔ حضرت عمر فاروق کی محدثیت کا ظہور زیادہ ان کے زمانہ خلافت میں خیال کیا جاسکتا ہے۔ سو آپ کو معلوم ہے اور کل مورخین جانتے ہیں کہ حضرت عمر کے نام خلافت نامہ لکھ کر جب خلیفہ رسول نے ان کو طلب کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف فرمایا تھا۔ ”مرا بخلافت حاجت نیست“ (ناخ التواریخ) تو کیا حضرت عمر نے اس فرض کو اسی طرح باواز بلند ظاہر کیا تھا کہ خلافت سے قطعی انکار کیا اور گوشہ خمول میں بسر کرنے کو زیادہ پسند فرمایا تھا۔ اب رہا یہ کہ محدث سے

انکار کرنے والا ایک درجہ تک مستوجب سزا ہوتا ہے۔ اس کلیہ میں خدا جانے کتنے صحابہ رسول داخل ہو گئے ہوں گے جو مسائل اور واقعات میں نہایت آزادی کے ساتھ حضرت عمر سے بحث کیا کرتے تھے۔ بالخصوص حضرت صدیق اور حضرت ابو تراب علی کرم اللہ وجہہ تو ضروری ہی مرزا صاحب کے نزدیک اس کلیہ میں داخل ہوں گے۔ جنہوں نے بارہا حضرت عمر کی رایوں کا خلاف کیا اور ان کو ساکت بھی کر دیا۔ اب رہی سب سے آخری وجہ کہ نبوت کے معنی یہی ہیں کہ امور متذکرہ اس میں پائے جائیں تو میں حیران ہوں کہ پھر محدث کی نبوت کو جزئی کہنے کی جرأت اور مبادرت آپ نے کیوں کر کی۔ اجماع حضرت جب نبوت کے معنی ہی یہ ہیں تو پھر جس کو بظاہر محدث کہا جاتا ہے وہ باطن نبی کیوں نہیں۔ اور جب یہی بات ہے تو آپ اس سے بھی زیادہ صاف جس کو اردو کی پہلی پڑھنے والے بھی سمجھ لیں، کیوں نہیں لکھ دیتے۔ مگر کوئی مصلحت ہے جس نے مہر سکوت لگا دی ہے۔

دل میں حرف آرزو کا خون ہوا

لب پہ رنگ پان جمانا چھوڑ دے

مرزا صاحب! میں رب کریم کے فضل سے ثابت کر چکا ہوں کہ اولیاء کا کشف اور الہام حجت اور دلیل بننے کی ذرا صلاحیت اور قابلیت نہیں رکھتا اور اسی مضمون میں آپ کی تحریروں سے ثابت کر چکا ہوں کہ آپ کا یہی اعتقاد نہ صرف اولیاء بلکہ انبیاء کے حق میں بھی یہی ہے مگر آپ محدث کو کوئی ایسی شے سمجھ ہوئے تھے جس کے الہام کو آمیزش شیطانی سے تنزیہ حاصل ہے۔ میں نے اس فہم کا بھی سراپا غلط ہونا ثابت کر دیا۔ اب آپ بہر خدا آئیے اور اس الہام کے بھروسہ پر جو دعاوی کیے ہیں ان کو خیر باد کہہ دیجیے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وفات مسیح اور عدم نزول مسیح اور اپنی قائم مقامی بجائے مسیح کے خیالات آپ کو اپنے الہام سے پیدا ہوئے۔ جس کو آپ نے ان الفاظ میں تسلیم کر لیا ہے۔ ”مجھے یقیناً معلوم ہے کہ میری اس رائے کے شائع ہونے کے بعد جس پر میں بینات الہام سے قائم کیا گیا ہوں۔ بہت سی

مخالفانہ قلمیں انھیں گی۔ توضیح صفحہ اول۔ (۱) اور ان الہامات کو مقدم رکھ کر پھر آپ نے نصوص شرعیہ قرآن اور حدیث کی تاویل کر کے ان کو اپنے سانچے میں ڈھالا ہے اور اس امر میں آپ نے نہایت جرأت فرما کر قرآن و حدیث کو تابع اور الہام کو متبوع ٹھہرا دیا ہے۔ لہذا آپ خیال فرمائیں اور ان عقائد سے توبہ کریں۔

میں اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مرزا صاحب سے یہ مسئلہ بھی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ جب ایک ہی شخص کے دو الہام آپس میں متضاد اور متناقض ہوں تو ان دونوں میں سے اس کو اور نیز دیگر اشخاص کو کس پر یقین اور عمل کرنا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ ایک الہام تو کل اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق ہو۔ اور دوسرا کل اہل اسلام کے مخالف اور اس موافق و مخالف ہونے کا صاحب الہام کو خود بھی اقرار ہو۔ جب آپ اس کا جواب عطا فرمائیں گے تو حیات اور وفات مسیح کی بحث چار سطروں میں ختم ہو جائے گی۔



☆ حاشیہ: ۱: ازالہ کے ۱۸۲ صفحہ پر لکھا ہے میرے اس دعویٰ پر ایمان لانا جس کی الہام الہی پر بنا ہے، کون سی اندیشہ کی جگہ ہے بفرض محال اگر میرا یہ کشف والہام غلط ہے اور جو کچھ مجھے حکم ہوتا ہے اس کے سمجھنے میں میں نے دھوکا کھایا ہے تو ماننے والے کا اس میں حرج بھی کیا ہے۔ ہاں صاحب حرج صرف اتنا ہے کہ یہ شخص احادیث کا جھٹلانے والا بن جاتا ہے یعنی فقط ایمان جاتا ہے اور بس۔

امام محمد بن عبد اللہ المہدی علیہ السلام

مرزا صاحب نے مثیل مسیح کے دعویٰ کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کر دیا ہے کہ امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہ خود ہیں اور عیسیٰ کے سوا اور کوئی مہدی آنے والا نہیں۔ میں اس مقام پر مختصر طور پر کچھ احادیث نقل کروں گا۔ جس سے واضح ہو جائے کہ احادیث میں عیسیٰ مسیح سے پہلے آنے والے مہدی کی نسبت کیا ظاہر فرمایا گیا ہے اور وہ کس جلالتِ شان کے ساتھ دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

اول ان فتنوں کا بیان کیا جاتا ہے جو ظہوری مہدی علیہ السلام سے پہلے ہوں گے:

وہ فتنہ سفیانی ہے یہ ملک شام سے خروج کرے گا۔ علی مرتضیٰ سے روایت ہے کہ یہ خالد بن یزید بن ابی سفیان کی اولاد سے ہوگا۔ بزرگ سر، چمک رو، آنکھ میں سفید نقطہ۔ یہ اس کا حلیہ ہے۔ وادی یاس سے نکل کر دمشق میں داخل ہوگا۔ ۳۶۰ سوار اس وقت اس کے ساتھ ہوں گے۔ ایک ماہ کے بعد قبیلہ کلب کے میں ہزار آدمی (جو اس کی تنہیال ہوں گی) اس سے آلیں گے۔ اسی زمانہ میں ملک مصر سے ابقع خروج کرے گا اور جزیرہ عرب سے اصہب نکلے گا۔ سفیانی دونوں پر غالب آجائے گا۔ ترک اور روم سے بمقام قرقیا جنگ میں فتح پائے گا۔ قریش کو قتل کرے گا، بغداد میں ایک لاکھ، کوفہ میں ستر ہزار کو تہ تیغ بے دریغ کرے گا، ایک لشکر مدینہ منورہ کی جانب روانہ کرے گا، سادات میں سے جسے پائے گا قتل کرے گا، بنی ہاشم مارے جائیں گے، بہت سے لوگوں کو پکڑ کر کوفہ لے جائے گا۔ امام مہدی بھاگ کر مکہ میں آجائیں گے۔

مکہ معظمہ میں اس سال حج کے موقع پر سات عالم مختلف مقامات سے

آئیں گے۔ ہر عالم کے مرید تین سو سے زیادہ ہوں گے۔ آپس میں کہیں گے ہم اس شخص کی تلاش میں آئے ہیں۔ جس کے ہاتھ سے یہ فتنہ دور ہو۔ قسطنطنیہ فتح ہو۔ ہم اس کا نام اس کے باپ کا نام، اس کی ماں کا نام جانتے ہیں۔ یہ علماء مکہ میں امام مہدی کو تلاش کر لیں گے۔ اور کہیں گے کہ تم فلاں بن فلاں ہو۔ فرمائیں گے۔ میں تو انصار میں سے ایک آدمی ہوں۔ علماء پھر واقف کاروں سے تحقیقات کرنے لگیں گے اور امام مہدی مکہ سے مدینہ کو تشریف لے جائیں گے۔ علماء ان کی تلاش میں مدینہ پہنچیں گے۔ امام مہدی مکہ میں تشریف لے آئیں گے۔ تین بار اسی طرح آمد و رفت ہوگی۔ حاکم مدینہ کو (جو سفیانی کا نائب ہوگا) جب یہ معلوم ہوگا کہ لوگ مہدی کی تلاش میں مکہ سے آتے جاتے ہیں۔ تو وہ مکہ پر لشکر کشی کے لیے ایک فوج تیار کرے گا۔ تیسری بار میں یہ عالم امام مہدی کو بیت الحرام میں درمیان رکن اور مقام کے پائیں گے اور ان کو بیعت لینے پر مجبور کریں گے۔ کہیں گے دیکھو سفیانی کا لشکر ہمارے تعاقب میں ہے، وہ آتے ہی قتل عام کر دے گا، اس کا گناہ آپ کے سر ہوگا۔ حضرت امام مہدی نماز عشاء کے وقت رکن اور مقام کے درمیان بیٹھ کر بیعت لیں گے۔ ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی تیغ و علم اور کرتہ ہوگا۔ ان کا ظہور تین سو تیرہ آدمی کے ساتھ ہوگا۔ یعنی اصحاب طالوت کے برابر یہ سب کے سب ابدال شام، عصاب عراق نجائب مصر ہوں گے۔ رات کو عابد، دن میں شیر۔ اتنے میں وہ لشکر جو مدینہ سے علماء کے تعاقب میں چلا تھا آپہونچے گا۔ یہ لشکر امام کے ساتھ جنگ کر کے شکست پائے گا اور مسلمان ان کا تعاقب کر کے مدینہ کو ان کے قبض و تصرف سے چھڑالیں گے۔ سفیانی کا دوسرا لشکر جو کوفہ سے چلا ہوگا، امام مہدی کے ساتھ جنگ کرنے آئے گا۔ جو زمین بیداء میں پہنچے گا۔ تمام لشکر زمین میں دھنس جائے گا۔ صرف ایک شخص بچے گا وہ سفیانی کو یہ خبر جا کر سنائے گا۔

۲۔ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا اس کو حارث کہیں گے۔ وہ کھیتی والا ہوگا۔ اس کے مقدمہ لشکر پر ایک شخص ہوگا جس کا لقب منصور ہوگا۔ وہ آل محمد ﷺ کو جگہ دے

گا۔ جس طرح قریش نے رسول ﷺ کو جگہ دی تھی۔ ہر مسلمان پر اس کی مدد کرنا واجب ہے۔ حادث کا لشکر سفیانی کے ساتھ چند لڑائیاں کرے گا ایک تونس میں، دوسری دوری میں، تیسری تخوم رنج میں (مرزا صاحب حادث تو بن گئے۔ مگر یہ جنگ بھی کیے ہوتے) جب یہ لڑائی ملول کو پہونچے گی تو ایک بنی ہاشم سے بیعت کریں گے۔ اس کی سیدھی ہتھیلی میں ایک تل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کام کو اس کی راہ کو سہل کر دے گا۔ یہ امام مہدی کا عمزاد بھائی ہوگا وہ آخر مشرق میں ہوگا۔ اہل خراسان و طالقان نکلیں گے۔ ان کے ہمراہ چھوٹے چھوٹے کالے نشان ہوں گے۔

حدیث میں آیا ہے۔ جب تم سنو کہ کالے جھنڈے خراسان کی طرف سے آئے۔ تو تم وہاں پہونچو۔ اگر چہ سینہ کے بل برف پر چلنا ہو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: اگر میں صندوق کے اندر مقفل ہوں۔ تو قفل و صندوق کو توڑ کر باہر نکلوں اور ان سے جاملوں۔ اس لشکر کی لشکر سفیانی کے ساتھ بڑی لڑائی میدان اصطر میں ہوگی۔ گھوڑے خون میں چلیں گے۔ پھر ایک لشکر جرار بھتان سے آئے گا جس پر بنی عدی کا شخص افسر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس کے انصار و جنود کو غالب کرے گا (یہ خراسانی لشکر مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو جائے گا۔)

۳۔ ایک لڑائی مدائن میں ہوگی۔ واقعہ رے کے بعد۔ دوسری عاقر فامیں۔ یہ بہت سخت ہوگی جو بچے گا وہ اس کی خبر دے گا۔ کالے جھنڈے پانی پر اتریں گے (حدیث میں پانی کا لفظ ہے۔ غالباً اس سے دریائے دجلہ مراد ہے)

۴۔ سفیانی زمین پر فساد کرے گا۔ دن دو پہر مسجد دمشق میں شراب پی کر عورت کے ساتھ کھلم کھلا صحبت کرے گا۔ اس وقت ایک مسلمان اٹھ کر کہے گا۔ افسوس تم مسلمان ہو کر کافر ہو گئے۔ یہ کام کب حلال ہے۔ سفیانی اس کو معہ اس کے ہمراہیوں کے مسجد میں ہی قتل کر دے گا۔ اس وقت آسمان سے آواز آئے گی۔

”ایہا الناس ان اللہ قد قطع عنکم الجبارین والمنافقین
واشیاعہم وولاکم خیر امۃ محمد ﷺ فالحقوہ بمکۃ فانہ المہدی

واسمہ احمد بن عبد اللہ (۱)

ترجمہ! لوگو! خدا نے ان ظالموں اور منافقوں وغیرہ کو تمہارے
سے جدا کر دیا اور امت محمدیہ میں سے بہترین شخص کو تمہارا ولی کر دیا۔
اب تم اسے مکہ میں جا ملو۔ وہ مہدی ہے۔ اس کا نام احمد بن عبد اللہ ہے۔“

۵- حضرت امام مہدی کا ایک عم زاداد بھائی صحری نام ہوگا۔ آپ اس کو اپنی بیعت
کے لیے بلائیں گے وہ آکر بیعت کرے گا۔

۶- قبیلہ کلب سے ایک آدمی کنانہ نام کا پیدا ہوگا۔ اس کی آنکھ میں پھٹلی ہوگی۔
اس کے بہکانے سے صحری بیعت توڑ دے گا۔ یہ تین سال بعد از بیعت ہوگا۔
امام مہدی کا لشکر ان سے مقابلہ کر کے فتح پائے گا۔ صحری کو پکڑ کر لائیں گے۔
مہدی اس کو دادی طور کے لٹن میں زیتا کے رستہ پر کینے کے پاس بکری کی طرح
ذبح کر ڈالیں گے۔ حدیث میں ہے۔ بدنصیب وہ ہے جو اس دن غنیمت کلب
سے محروم رہا۔

۷- امام مہدی کی جنگ روم والوں سے ہوگی۔ یہ ہلاک سفیانی کے بعد ہوگا۔
اہل روم ۹ لاکھ ۶۰ ہزار لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے مقابلہ آرا ہوں گے۔ اس کے سوا
تین لاکھ بحری فوج ہوگی۔ جس میں چالیس ہزار آدمی جبر کے ہوں گے۔ ان کے دل
میں مادہ الفت و محبت ڈالا جائے گا۔ بحری فوج دوسری سے لڑے گی اور اس کو شکست
دے گی۔ پھر مشرکین فارس کی ایک قوم آئے گی۔ ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کا
ثلث لشکر بھاگ نکلے گا۔ ایک ثلث شہید ہوگا۔ جس کو دس اصحاب بدر کے برابر ثواب

☆ حاشیہ: ۱: احادیث میں حضرت مہدی کا نام محمد بن عبد اللہ ہے اور اس نداء آسمانی میں احمد
بن عبد اللہ کہا گیا ہے۔ یہ کچھ منافی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ میرا نام زمین پر محمد ﷺ
آسمان پر احمد ہے۔ اس لیے ندائے آسمانی میں محمد ﷺ کی جگہ احمد کہا گیا۔ شاید اس لیے قرآن
شریف میں ﴿و مبعثرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد﴾ فرمایا گیا ہے۔ (یہ آیت
حق نبی ﷺ ہے۔)

ملے گا۔ ٹلٹ جو باقی رہے گا۔ اس میں بھی پھونک اور نفاق ہوگا۔ مسلمان روم سے لڑنے کو چلیں گے۔ قسطنطنیہ کا دریا ان کے لیے خشک ہو جائے گا۔ بریتے میں مسلمانوں کے خیمے ہوں گے۔ مسلمان شب جمعہ کو تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے گھس پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ قسطنطنیہ ایسی قوموں کے ہاتھ پر فتح کرے گا جو اولیاء خدا ہوں گے۔ موت، بیماری دکھ کو ان سے اٹھالے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ یہی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ ہو کر دجال سے لڑیں گے۔ اس حدیث کو سیوطی نے جامع کبیر میں نہایت طول کے ساتھ بیان کیا ہے۔



علامات جو قرب ظہور مہدی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہیں

- ۱- دریائے فرات کھل جائے گا اس میں سے ایک سونے کا پہاڑ ظاہر ہوگا۔
- ۲- آسمان سے ندا ہوگی: الا أن الحق فی آل محمد لوگو حق آل محمد میں ہے۔“

علامات شناخت مہدی رحمۃ اللہ علیہ

- ۱- ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کرتہ، تیغ اور علم ہوں گے۔ یہ نشان آنحضرت ﷺ کے بعد کبھی نہ نکلا ہوگا۔ اس پر لکھا ہوگا: البیعة لله ”بیعت خدا کے واسطے ہے۔“
- ۲- امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے سر پر ایک بادل سایہ کرے گا۔ اس میں سے ایک پکارنے والا پکارے گا: هذا المهدی خلیفة الله فاتبعوا ”یہ مہدی خلیفہ خدا ہے۔ اس کا اتباع کرو۔“
- ۳- یہ ایک سوکھی شاخ خشک زمین میں لگا دیں گے ہری ہو جائے گی۔ اس میں برگ و بار آئے گا۔“
- ۴- خزانہ کعبہ کو نکالیں گے اور تقسیم کر دیں گے۔
- ۵- دریا ان کے لیے یوں پھٹ جائے گا جیسے بنی اسرائیل کے لیے پھٹ گیا تھا۔
- ۶- ان کے پاس تابوت سیکنہ ہوگا۔ جسے دیکھ کر یہود ایمان لائیں گے مگر چند۔
- امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے اہل بیت نبوی ﷺ سے ہونے کی احادیث
- ۱- ”لا تذهب الدنيا ولا تنقضی حتی یملك رجل من اهل بیتی یواطی اسمہ (اسمی ابو داؤد و الترمذی عن ابن مسعود)۔“
- ”دنیا ختم نہ ہوگی۔ جب تک میرے اہل بیت سے ایک شخص جس کا نام

میرے نام پر محمد ہوگا، دنیا کا مالک نہ ہو جائے۔“

ابوداؤد کی دوسری روایت میں ہے:

۲- ”یواطی اسمہ اسمی واسم ایہ اسم ابی“

”اس کا نام میرے نام پر۔ اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام پر

ہوگا۔ یعنی محمد بن عبد اللہ۔“

۳- ”المہدی من عترتی من ولد فاطمہ۔“

”مہدی میرے کنبہ میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہوں گے۔“

(ابوداؤد، حاکم، ابن ماجہ عن ام سلمہ)

۴- ان کا مولد مدینہ ہے۔ رواہ ابو نعیم عن علی کرم اللہ وجہہ

۵- ہجرت گاہ ان کا بیت المقدس ہوگا۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے۔ بیت

المقدس کی کامل آبادی سبب ہے مدینہ کی ویرانی کا۔

۶- حلیہ ان کا یہ ہے: گندم رنگ، کم گوشت، میانہ قد، کشادہ پیشانی،

بلند بینی، کمان ابرو، دونوں ابروؤں میں فرق، بزرگ اور سیاہ چشم، سرگین دیدہ،

دانت روشن اور جدا جدا، دہنے رخسار پر تل سیاہ، چہرہ نورانی ایسا روشن جیسا کوکب

دری، ریش پرانہ، کشادہ ران، عربی رنگ، اسرائیلی بدن، زبان میں لکنت جب

بات کرنے میں دیر ہوگی۔ توران چپ پر ہاتھ ماریں گے۔ کف دست میں نبی ﷺ

کی نشانی ہوگی۔

ناظرین یہ جلیلہ احادیث جو نواب صدیق حسن مرحوم کی کتاب اقرب

الساعة سے لی گئی ہیں اور جن کے درج کرنے میں میں نے بہت اختصار کیا ہے۔

ایسی احادیث ہیں، جن کے ایک حرف سے بھی مرزا صاحب کو تطبیق حاصل نہیں۔ اور

نہ آج تک انہوں نے ان کی تاویل ہی کر کے ان کے معانی ہم کو سمجھائے ہیں۔

اب آپ مختصر طور پر عیسیٰ بن مریم کے نزول کی احادیث بھی ملاحظہ

فرمائیں:

۱- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میرے اور عیسیٰ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ اور وہ تم میں نزول فرمائیں گے۔ جب ان کو دیکھو تو اس حلیہ سے پہچان لو۔ قد درمیانہ، رنگ سرخ و سفید، لباس زردی مائل گویا ان کے سر سے باوجود تر نہ کرنے کے پانی نکلتا ہوگا، وہ دین اسلام کے لیے لوگوں سے جنگ و قتال کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے۔ خدا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب کو محو کر دے گا۔ صرف اسلام باقی رہے گا۔ وہ دجال کو ہلاک کریں گے اور زمین پر چالیس سال تک قیام فرمائیں گے۔ پھر وفات پائیں گے، اور مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔

۲- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت حق پر لڑتی رہے گی اور قیامت تک غالب رہے گی۔ پس عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔ امیر جماعت کہے گا: آئیے نماز پڑھائیے۔ فرمائیں گے نہیں۔ تم ایک دوسرے کے امام ہو۔ خدا نے اس امت کو یہ بزرگی دی ہے کہ نبی بنی اسرائیل امتی محمدی کے پیچھے اقتدا کرے (مسلم کی یہ حدیث جو بروایت جابر ہے۔ مسلم کی حدیث بروایت ابی ہریرہ کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم کی بخوبی تفسیر کرتی ہے کہ و امامکم منکم سے دوسرا امام غیر عیسیٰ ہی مراد ہے نہ کہ حسب قول مرزا صاحب خود عیسیٰ ہی جنہوں نے و امامکم منکم کے معنی بنانے کے لیے وہو امامکم منکم بنالیا ہے۔

۳- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں شب معراج ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام سے ملا۔ قیامت کے بارہ میں گفتگو ہونے لگی۔ فیصلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد ہوا۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت موسیٰ پر بات ڈالی گئی۔ انہوں نے کہا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اس کا تصفیہ رکھا گیا۔ انہوں نے کہا۔ قیامت کے وقت کی خبر تو خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ ہاں خدا تعالیٰ نے میرے ساتھ یہ عہد کیا ہے کہ قیامت سے پہلے دجال نکلے گا اور میرے ہاتھ

میں شمشیر برندہ ہوگی۔ جب وہ مجھے دیکھے گا تو پکھلنے لگے گا جیسے راگ پکھل جاتا ہے۔
۴۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے خدائے پاک کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بیشک قریب ہے کہ ابن مریم تم میں حاکم عادل ہو کر اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ کو اٹھادیں گے۔ مال کی کثرت ہو جائے گی۔ اور زر و مال کو کوئی قبول نہ کرے گا یہاں تک تمام دنیا اور دنیا بھر کے مال و متاع سے ایک سجدہ کرنا اچھا معلوم ہوگا۔ ابو ہریرہ کہتے تھے اگر تم (ارشاد نبوی کے ساتھ قرآن سے دلیل چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھ لو:

﴿إِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾

ترجمہ! نہیں کوئی اہل کتاب مگر یہ کہ وہ ایمان لائے گا عیسیٰ کے مرنے سے پہلے (سورہ آل عمران) یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ اگر وہ پھر بلی زمین سے کہدیں کہ شہد ہو کر بہ جا۔ وہ بہ چلے۔ پہلی حدیث ابوداؤد، دوسری مسلم، تیسری مسند احمد، چوتھی بخاری، پانچویں مسند کی ہے اور یہ احادیث متعدد صحابہ سے مروی ہیں۔ ناظرین ان کتابوں کے نام دیکھ کر ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جملہ دواوین حدیث میں کس قدر احادیث نبوی مندرج ہوں گی۔ خاتمہ الحمد ثین امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوضیح میں ان احادیث کو متواتر کہا ہے۔

اب خصوصیات زمانہ نزول مسیح کو ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ ان کے زمانہ میں جزیہ نہ لیا جائے گا کیوں کہ مال کی مسلمانوں کو کچھ ضرورت نہ ہوگی۔ آج خود عیسیٰ بننے والے ہی روپیہ کے محتاج خواستگار اور چندہ کے ساکلی ہیں۔

۲۔ مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالے گا اور اسے زکوٰۃ لینے والا کوئی نہ ملے گا۔ سب متمول اور تو نگر ہوں گے۔ آج دنیا کی تمام اقوام میں سب سے زیادہ مفلس اور غریب مسلمان ہیں۔ زکوٰۃ نکالنے والوں کی تعداد نہایت قلیل

- ہے اور لینے والے ہزاروں۔
- ۳- آپس کی بغض اور عداوتیں جاتی رہیں گی۔ سب میں اتحاد اور محبت قائم ہو جائے گی۔
- آج عیسیٰ بننے والے کے ہاتھ پر جنہوں نے بیعت کی ہے، خود ان میں تابغض و حسد موجود ہے۔ ایک دوسرے کی چار پائی الٹ دیتا ہے۔ گال گلوچ ہوتا ہے۔ مرزا صاحب اور حکیم نور الدین صاحب کو خود اس کا اقرار ہے۔
- ۴- ہر زہریلے جانور کا زہر جاتا رہے گا، وحوش میں سے درندگی نکل جائے گی۔ آدمی کے بچے سانپ بچھو سے کھیلیں گے ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ بھیڑیا بکری کے ساتھ چرے گا۔
- نقشہ اموات ملاحظہ ہو۔ کہ صرف ملک ہندوستان میں سانپ کے کاٹے، چوحوش کے کھائے ہوئے آدمیوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہیں۔ پھر تمام دنیا کی آبادی پر اس سے قیاس کرلو۔
- ۵- زمین صلح سے بھر جائے گی۔ لڑائی مفقود ہو جائے گی۔
- اس زمانہ کے سلاطین کی چھوٹی لڑائیاں چھوڑ کر شاہان عظام کی جنگی تیاریوں، جنگی فوج کی تعداد کثیر پر نظر ڈالو۔ جو ایک عالمگیر جہاں آشوب جنگ کی خبر ہے۔
- ۶- زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل پیدا کر اور اپنی برکت کو لوٹا دے۔ اس دن ایک انار کو ایک گھرانہ کھائے گا اور انار کے چھلکے کو بنگلہ سا بنا کر اس کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ دودھ میں برکت ہوگی یہاں تک کہ دودھار اونٹنی آدمیوں کے بڑے گروہ کو، دودھار گائے ایک برادری کے لوگوں کو، دودھار بکری ایک جدی شخصوں کو کفایت کرے گی۔
- ۷- گھوڑے سستے بکلیں گے۔ کیونکہ لڑائی نہ رہے گی۔ بیل گراں قیمت ہو جائیں گے کیوں کہ تمام زمین کاشت کی جائے گی۔
- اس زمانہ کی بے برکتی سب جانتے ہیں، گھوڑوں کا گراں ارز ہونا ظاہر

ہے۔ یہ سب علامات مرزا صاحب کے زمانہ میں ایسے مفقود ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ مرزا صاحب! دعویٰ مسیحائی کرنا آسان ہے ازالہ اوہام کے برابر موٹی موٹی کتابیں چھپانا آسان ہے۔ مگر ان احادیث کی تاویل کرنا مشکل اور محال۔ اگر آپ کو ایمانی طور پر یقین ہے کہ آپ فی الواقع آنے والے مسیح ہیں تو ان احادیث کی تاویل تو کی ہوتی۔ نہ یہ کہ ازالہ صفحہ ۲۰ پر وعدہ کیا کہ اب ہم وہ احادیث جس سے علماء کو ڈگری ملتی ہے مع ترجمہ کے لکھتے ہیں اور لکھنے کے وقت صحیح بخاری کی چار سطروں کی حدیث بھی پوری پوری نہ لکھی۔

سیرت مسیح

- ۱- حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع دمشق میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عصر پڑھیں گے۔ پھر اہل دمشق کو ساتھ لے کر طلب دجال میں نہایت سیکنہ و ممانت سے چلیں گے۔ زمین ان کے لیے سمٹ جائے گی۔ ان کی نظر قلعوں کے اندر گاؤں کے اندر تک اثر کر جائے گی۔
- ۲- جس کا فرقہ ان کی سانس کا اثر پہونچے گا وہ فی الفور مر جائے گا۔
- ۳- بیت المقدس کو بند پائیں گے۔ دجال نے اس کا محاصرہ کر لیا ہوگا۔ اس وقت نماز صبح کا وقت ہوگا۔
- ۴- ان کے وقت میں یا جوج ماجوج خروج کریں گے۔ تمام خشکی و تری پر پھیل جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہ طور پر لے جائیں گے۔
- ۵- یہ روضہ رسول میں نبی ﷺ کے پاس مدفون ہوں گے۔ مسلمان ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔
- ۶- دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔ اس کا خون اپنے نیزہ پر لوگوں کو

دکھلائیں گے۔

مرزا صاحب کے پاس یہ صفات کہاں ہیں؟ سچ ہے دعویٰ کرنا آسان اور ثابت ہونا مشکل۔

﴿قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَذَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتِ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا. قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾
 ﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

نیازمند
محمد سلیمان عفی عنہ



فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
	عرض ناشر	۳
۱-	رکوع اول سورہ آل عمران جو نصاریٰ اور نصاریٰ نما لوگوں کے رد میں اصل الاصول ہے۔	۵
۲-	قصیدہ حمید یہ مہمہ	۶
۳-	مقطع کا شعر اور منجانب اللہ قبولیت کا ثبوت	۱۲
۴-	وجہ تصنیف	۱۳
۵-	دیباچہ طبع دوم منجانب ناشر کتاب ہذا	۱۴
۶-	قرآن مجید کی وہ تیس آیتیں جن سے مرزا صاحب نے اپنی غلط فہمی سے مسیح ابن مریم کی موت ثابت کی اور ان غلطیوں کا اظہار	۱۵
۷-	آیت (۱) اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ پر بحث	۱۵
۸-	تقدیم و تاخیر الفاظ از امام جلال الدین سیوطی	۱۹
۹-	آیت بالا میں چار فعلوں میں ترتیب	۲۳
۱۰-	اس آیت کا ترجمہ براہین میں مرزا صاحب نے کیا کیا	۲۴
۱۱-	آیت (۲) بَلْ رَفَعَهُ اللّٰہُ میں مرزا صاحب کا مرادی ترجمہ	۲۴
۱۲-	وَرَفَعْنَاهُ مَکَانًا اور رَفَعَهُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کا فرق	۲۶
۱۳-	آیت (۳) فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ	۲۶

- ۱۴- لغات عربی سے توفی کے معنی ۲۷
- ۱۵- آیت يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ ۲۹
- ۱۶- آیت اللہ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ ۳۰
- ۱۷- توفی - نفس انسانی مفعول خدا فاعل ۳۰
- ۱۸- توفی کے معنی ازالہ ص ۶۰۱ پر ۳۱
- ۱۹- ماضی پر حرف اذ کی بحث ۳۱
- ۲۰- اذ قال اللہ کا تعلق زمان مستقبل سے ۳۱
- ۲۱- مادمت فیہم کی بلاغت ۳۳
- ۲۲- مادمت حَيًّا سے تفاوت ۳۳
- ۲۳- آیت (۴) ان من اهل الكتاب ۳۳
- ۲۴- لیؤمنن مستقبل کا بصیغہ ماضی غلط ترجمہ ۳۵
- ۲۵- قواعد نحو سے مرزا صاحب کی بیزاری ۳۵
- ۲۶- علوم آلہ کے متعلق شاہ اسماعیل شہید کی تحقیق ۳۵
- ۲۷- اذ قال اور لیؤمنن میں مرزا صاحب کی کج معج بیانی ۳۶
- ۲۸- ضمیر قبل موتہ کا مرجع ۳۷
- ۲۹- ترجمہ آیت از علماء را سخین و ترجمہ مرزا ۳۷
- ۳۰- آیت (۵) ما المسيح ابن مریم ۳۸
- ۳۱- کان کا ماضی یا حال سے تعلق ۳۹
- ۳۲- آیت بالا کا منطوق صحیح ۴۰
- ۳۳- عموم و خصوص میں استدلال کا فرق ۴۱
- ۳۴- حیات مسیح و مادر مسیح از آیت ان یهلك المسيح ۴۱
- ابن مریم وامہ

- ۳۵- آیت (۶) وما جعلناهم جسداً
اسی اکیلی آیت کو وفات مسیح پر کافی بتلانا
- ۳۶- اصحاب کہف کا ۳۹ سال تک بلا طعام زندہ رہنا
- ۳۷- نبی ﷺ کی حدیث اور روزہ طے
- ۳۸- ذکر الہی کا بجائے طعام ہونا
- ۳۹- اہل آسمان کا طعام
- ۴۰- آیت (۷) ما محمد الا رسول
- ۴۱- خلت کے لغوی معنی
- ۴۲- سنة التی قد خلت کا ترجمہ مرزا صاحب نہیں کر سکتے۔
- ۴۳- ترجمہ میں مرزا صاحب کا تصرف
- ۴۴- خلو کی لغوی بحث اس کا زمانہ سے متعلق ہونا
- ۴۵- آیت میں لفظ خلت کے استعمال کی بلاغت قرآنی
- ۴۶- آیت (۸) وما جعلنا البشر میں استدلال کا صریحاً غلط ہونا
- ۴۷- آیت (۹) تلك امة قد خلت میں مرزا صاحب کا محض ترجمہ
- ۴۸- آیت مذکورہ سے اوپر کی آیتوں میں اسم مسیح کا نہ ہونا
- ۴۹- آیت (۱۰) واوصانی بالصلوة بیان مرزا پر از سقم و اغلاط ہے۔
- ۵۰- زکوٰۃ اور غلاماً زکیّتا
- ۵۰- مسند احمد ۱/۱۲۰

- ۵۰- ۵۳ و اذ اخذ الله ميثاق
- ۵۱- ۵۴ مویٰ و یونس کا تلبیہ۔ مویٰ کا نماز پڑھنا
- ۵۱- ۵۵ آیت (۱۱) و سلام علیٰ
- ۵۲- ۵۶ کسی امر خاص کا کسی تقریر میں نہ ہونا
- ۵۲- ۵۷ سلام علی میں واقعات تصلیب وغیرہ کا نہ ہونا
- ۵۳- ۵۸ آیت (۱۲)۔ و منکم من یتوفیٰ مرزا صاحب کا
ثبوت وفات بالفعل سے عاجز ہونا
- ۵۳- ۵۹ آیت میں کسی حد عمر کا نہ ہونا۔
- ۵۴- ۶۰ چند معمرین کا ذکر
- ۵۴- ۶۱ آیت (۱۳)۔ و لکم فی الارض مستقرا
- ۵۵- ۶۲ ترجمہ میں تصرف مرزا
- ۵۵- ۶۳ لکم میں تخصیص ہے۔
- ۵۶- ۶۴ ذریات شیطان کا بجانب آسمان بلند ہونا
- ۵۶- ۶۵ لفظ مستقر کے معنی صحیح
- ۵۶- ۶۶ آیت بالا اور معراج نبوی
- ۵۷- ۶۷ الیٰ حین کا غلط ترجمہ
- ۵۷- ۶۸ لاشوں کا آسمان پر اٹھایا جاسکنا
- ۵۷- ۶۹ آیت (۱۴)۔ و من نعمہ
- ۵۷- ۷۰ مرزا صاحب کے پاس وجہ استدلال کا نہ ہونا
- ۵۸- ۷۱ بعض طویل العمر انبیاء
- ۵۸- ۷۲ مختلف اجسام پر مختلف اثرات زمانہ
- ۵۸- ۷۳ حکیم نور الدین نے ایک یوم کو ایک سال تسلیم کیا

- ۵۸ - ۷۴ آسمانی دن کا ایک ہزار سال کے برابر ہونا از قرآن مجید
- ۵۸ - ۷۵ ازالہ ص ۶۹۶ ایک دن کا ہزار سال برابر ہونا
- ۵۹ - ۷۶ آیت (۱۵) خلقتکم من ضعف
- ۵۹ - ۷۷ وجہ استدلال بر موت مسیح کا فقدان
- ۵۹ - ۷۸ اس آیت کے عموم سے خود مرزا صاحب اپنی حیات بالفعل نہیں ثابت کر سکتے۔
- ۵۹ - ۷۹ آیت (۱۶) - کماء انزلناہ
- ۵۹ - ۸۰ کاش مرزا صاحب اس آیت ہی سے مستفید ہوتے
- ۶۰ - ۸۱ آیت (۱۷) - ثم انکم بعد ذلک
- ۶۰ - ۸۲ آیت بالا میں موت مسیح کی دلیل کا نہ ہونا
- ۶۰ - ۸۳ حرف ثم کی بحث
- ۶۰ - ۸۴ آیت (۱۸) - فسلكه ینابیع موت مسیح پر وجہ استدلال کا فقدان
- ۶۱ - ۸۵ آیت (۱۹) - لیأ کلون الطعام
- ۶۱ - ۸۶ آیت بالا کی وجہ نزول
- ۶۱ - ۸۷ بازار میں پھرنا، کھانا کھانا، منافی نبوت نہیں تخصیص و تعلیم کی بحث
- ۶۲ - ۸۸ کیا طعام اور مشی لازم حال انبیاء ہے
- ۶۳ - ۸۹ آیت - (۲۰) والذین یدعون
- ۶۳ - ۹۰ آیت کن کن پر حاوی ہے
- ۶۳ - ۹۱ انتقم و ماتعبدون پر کفار کا جدال
- ۶۵ - ۹۲ اموات غیر احیاء کے معنی

- ۹۳- بت اور آیت بالا ۶۵
- ۹۴- آیت (۲۱) ماکان محمد ابا احد ۶۶
- ۹۵- ختم نبوت اور انبیاء ماقبل کا اتباع ۶۷
- ۹۶- لتؤمننّ به ولتنصرنه ۶۷
- ۹۷- مسیح امت محمدیہ میں ہے ازالہ ص ۶۲۳ ۶۷
- ۹۸- مرزا اور دعویٰ نبوت ۶۸
- ۹۹- مسیح کا فنا فی الرسول ہونا ۶۸
- ۱۰۰- حدیث انا اولی الناس بعیسیٰ ۶۸
- ۱۰۱- مسلمات مرزا۔ اور آیت بالا سے تمسک کا غلط ہونا ۶۹
- ۱۰۲- مسیح صحابی رسول ہیں۔ ۶۹
- ۱۰۳- آیت (۲۲)۔ فاسئلوا اهل الذکر ۶۹
- ۱۰۴- ایلیا کا جسم کے ساتھ آسمان پر چڑھ جانا۔ (حاشیہ) ۷۰
- ۱۰۵- اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت کب ہے ۷۰
- ۱۰۶- مسئلہ نزول مسیح اہل کتاب سے پوچھنے کی ضرورت ۷۰
- نہیں۔
- ۱۰۷- نبی ﷺ کے بتائے ہوئے نشانات و علامات کا بیان ۷۰
- ۱۰۸- مسیح نے اپنی آمد کے متعلق خود علامات کا بیان فرمایا ۷۰
- (از متی و یوحنا۔ مرقس)
- ۱۰۹- ان علامات کے بغیر ”مسیح ہوں“ کہنے والے ۷۰
- جھوٹے ہوں گے
- ۱۱۰- موجودہ زمانہ کی تاریخی حالت ۷۰
- ۱۱۱- مسیح کا کہنا کہ جاتا ہوں اور پھر آتا ہوں ۷۰
- ۱۱۲- نزول ایلیا ۷۰

- ۱۱۳- مسیح و ایلیا بقول انجیل ۷۰
- ۱۱۳- مسیح و ایلیا بقول انجیل ۷۱
- ۱۱۵- اس استدلال میں مرزا جی کی غلطیاں ۷۲
- ۱۱۶- آیت (۲۳)۔ یا ایتھا النفس المطمئنة ۷۹
- ۱۱۷- دلیل مرزا کا صغریٰ و کبریٰ غلط ہے ۸۰
- ۱۱۸- دخل بگروہ انبیاء ۸۰
- ۱۱۹- آیت انی متوفیک اور آیت یا ایتھا النفس کا فرق ۸۰
- ۱۲۰- آیت (۲۴)۔ خلقکم ثم رزقکم ۸۰
- ۱۲۱- ثم اور ترتیب و تراخی ۸۱
- ۱۲۲- خلقکم۔ رزقکم کا ماضی اور یمیتکم یحییکم کا مضارع ہونا ۸۱
- ۱۲۳- آیت (۲۵) کل من علیہا فان ۸۱
- ۱۲۴- فان ویفنی کا فرق ۸۱
- ۱۲۵- لفظ فان کسی کی موت بالفعل پر دلیل نہیں۔ ۸۲
- ۱۲۶- اجسام پر تغیرات زمانہ ۸۲
- ۱۲۷- آیت (۲۶)۔ ان المتقین فی جنت ونهر ۸۳
- ۱۲۸- مرزا صاحب کے ترجمہ اور وجہ استدلال کی غلطیاں ۸۳
- ۱۲۹- نبی ﷺ کا سیر جنت فرمانا ۸۴
- ۱۳۰- آیت (۲۷)۔ سبقتم لهم منا الحسنی وجہ استدلال کا تقریر مرزا میں فقدان ۸۵
- ۱۳۱- آیت (۲۹)۔ ما اتمکم الرسول فخذوه ۸۵
- ۱۳۲- امام حسن کی روایت ان عیسیٰ لم یمت ۸۵

- ۱۳۳- مراہیل حسن بھریؒ ۸۶
- ۱۳۴- حدیث ابوداؤد لیس بینی و بین عیسیٰ ۸۶
- ۱۳۵- حدیث احمد وابن ماجہ، شب معراج میں مسیح کا اپنی نزول کی بابت کہنا ۸۶
- ۱۳۶- حدیث ترمذی اعمار امتی سے استدلال مرزا ۸۷
- ۱۳۷- احادیث نزول مسیح کے لیے غایت المرام کا ملاحظہ ۸۷
- ضروری ہے (حاشیہ)۔
- ۱۳۸- حدیث مسلم ما علی الارض من نفس کے صحیح معنی۔ مرزا صاحب کی جرأت تحریف ۸۸
- ۱۳۹- آیت (۳۰)۔ او ترقی فی السماء ۸۸
- ۱۴۰- آخری آیت میں مرزا صاحب کی تمام تر چالاکیاں ۸۹
- ۱۴۱- مرزا صاحب نے الفاظ قرآن مجید میں تحریف کی ۸۹
- ۱۴۲- آیت بالا کا صحیح اندراج اور اس کی آیات کا پورا ترجمہ ۸۹
- ۱۴۳- آیت بالا میں کفار کی سفلی درخواستیں ۹۰
- ۱۴۴- آیت بالا میں عادت اللہ کے خلاف کفار کی درخواستیں ۹۰
- ۱۴۵- آیت بالا میں ایک ہی درخواست قابل منظوری تھی ۹۱
- ۱۴۶- کفار کا اسی درخواست سے انکار مرزا کا اُسی درخواست کو چھپانا ۹۱
- ۱۴۷- کفار کی آخری مسعور یا نہ شوفی ۹۱
- ۱۴۸- صدق باری تعالیٰ یا صدق مرزا ۹۲
- ۱۴۹- مرزا صاحب کی پیش کردہ آیات پر تبصرہ ۹۲

- محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- ۱۶۸- مرزا صاحب نے امت کے اجماع کو کورانہ بتلایا ۱۰۰
- ۱۶۹- مسیح موعود ہونے پر دلیل مکاشفات کو بتلایا گیا ہے ۱۰۲
- ۱۷۰- حدیث کی موجودگی میں کسی شخص کا مکاشفہ دلیل نہیں ہوتا ۱۰۲
- ۱۷۱- جن اکابر اولیا کا مکاشفہ بتلایا ہے ان کا نام تک ندارد ہے ۱۰۲
- ۱۷۲- نقل عبارات میں مرزا صاحب کی عدم دیانت ۱۰۲
- ۱۷۳- محض دعویٰ کو دلیل بنایا ۱۰۳
- ۱۷۴- پہلی اور دوسری دلیل کا ایک ہونا ۱۰۳
- ۱۷۵- تیسری دلیل علامات اور ان کی ترتیب میں عدم لزوم ۱۰۳
- ۱۷۶- خر دجال کو ریل۔ یا جوج ماجوج کو روس وانگریز۔ ۱۰۳
- دابة الارض کو پادری کہنے کی لغویت
- ۱۷۷- چوتھی دلیل مسیح و موسیٰ علیہم السلام کا درمیانی عرصہ ۱۰۴
- ۱۷۸- مسیح و موسیٰ کا درمیانی فاصلہ ۱۶۰۰ ہے، نہ کہ ۱۴۰۰ ۱۰۵
- ۱۷۹- موسیٰ و ہینا علیہ السلام میں ۲۲ صدیوں کا فاصلہ ۱۰۵
- ۱۸۰- مرزا صاحب کی منہ مانی غلطی ۱۰۶
- ۱۸۱- چھٹی دلیل۔ فرشتوں کے پروں پر ہاتھوں کا رکھے ہونا ۱۰۶
- ۱۸۲- الفاظ حدیث جن کا ترجمہ غلط کیا ۱۰۶
- ۱۸۳- حدیث مسلم کے متعلق مرزا صاحب کا دورویہ عمل، کبھی انکار کبھی استشہاد ۱۰۷
- ۱۸۴- مرزا صاحب کے استاد ۱۰۷
- ۱۸۵- منصب علمنی ربی کا ادعا ۱۰۷

- ۱۸۶- مرزا صاحب کی آمدنی کے ابواب اور چندہ کی درخواستیں۔ عدم توکل
- ۱۸۷- ساتویں دلیل دم سے کافر کا مرنا ذاتی صفت موصوف سے الگ نہیں ہوتی
- ۱۸۸- آٹھویں دلیل مسیح کا عقائد کی غلطیاں نکالنا
- ۱۸۹- موت مسیح اور لوگوں کی سمجھ
- ۱۹۰- مرزا صاحب سے دس دس لوگوں کے نام بتلانے کی استدعا
- ۱۹۱- مولوی رحمت اللہ مہاجر اور عیسائی اور ضرورت نبوت محمدیہ
- ۱۹۱- مرزا صاحب اور تائید یہود
- ۱۹۲- مسیح کا قبر نبوی کھود کر ورض کیا جانا
- ۱۹۳- مسلمانوں پر مرزا جی کا افتراء
- ۱۹۴- مقبرہ نبوی میں تدفین مسیح
- ۱۹۵- مقبرہ کے اندر اب تک ایک قبر کی جگہ کا خالی ہونا
- ۱۹۶- مرزا جی کا دعویٰ کہ فرشتہ نے ان کو جگہ روضہ رسول کے اندر دکھلائی جہاں ان کی قبر ہوگی۔
- ۱۹۷- مرزا جی نے رسول کی ہڈیوں کا لفظ لکھا
- ۱۹۸- نوین دلیل مسیح کا نبی اللہ ہونا۔ عاجز مرزا جی کا اس نعمت کو پانا۔
- ۱۹۹- غلام احمد قادیانی
- ۲۰۰- آیت خاتم النبیین اور نبوت
- ۲۰۱- عیسیٰ علیہ السلام پر نزول ثانی میں وحی کا نمونہ

- ۲۰۲ - مرزا اور اپنی تصنیفات کا درجہ ۱۱۴
- ۲۰۳ - دسویں دلیل مکاشفات عبداللہ غزنوی ۱۱۵
- ۲۰۴ - مکاشفہ اعتباری شے نہیں ۱۱۵
- ۲۰۵ - کشف غزنوی اور حدیث رسول ۱۱۶
- ۲۰۶ - راوی کا کشف غیر معتبر ہے ۱۱۶
- ۲۰۷ - مکرر اس راوی کا مرزا جی سے انکار ۱۱۶
- ۲۰۸ - الفاظ کشف کی مرزا پر عدم مطابقت ۱۱۶
- ۲۰۹ - خود الفاظ کشف میں بطلان کی شہادت ۱۱۶
- ۲۱۰ - گیارہویں دلیل ایک مجذوب کا کشف ۱۱۶
- ۲۱۱ - کشف مذکور کا لغو ہونا ۱۱۶
- ۲۱۲ - کشف اور مخالفت احادیث ۱۱۷
- ۲۱۳ - کریم بخش راوی کے دو بیان ہر دو بیانات میں اختلاف ۱۱۷
- ۲۱۴ - مرزا صاحب نے رسالہ نشان آسمانی اور ازالہ میں دو متضاد بیانات کریم بخش کے شائع کیے ۱۱۷
- ۲۱۵ - کریم بخش اور سیدنا نواس بن سمعان صحابی رضی اللہ عنہ ۱۱۷
- ۲۱۶ - کشف مجذوب مجہول الحال کا باطل ہونا۔ ۱۱۸
- ۲۱۷ - حقائق بیان کردہ مرزا جی کا فہم رسول سے برتر، مگر فہم مجذوب سے کمتر ہونا ۱۱۸
- ۲۱۸ - تاویلات مرزا کی حقیقت ۱۱۸
- ۲۱۹ - کشف مجذوب کیوں خلاف عقل ہے ۱۱۸
- ۲۲۰ - یہ کشف کیوں خلاف شرع ہے ۱۱۹
- ۲۲۱ - نبی کریم کا قسمیہ کلام اور مجذوب کی بڑ ۱۲۰
- ۲۲۲ - بارہویں دلیل مرزا ۱۲۱

- ۲۲۳- آیت انا علی ذہاب بہ کے اعداد ۱۲۱
- ۲۲۴- اعداد حروف کا ثبوت شرعی کچھ نہیں ۱۲۲
- ۲۲۵- قرآن سے اعداد جمل نکالنا ۱۲۲
- ۲۲۶- آیت اطیعوا اللہ الخ کے اعداد اور عالمگیر بادشاہ ۱۲۲
- ۲۲۷- سورہ اخلاص کے اعداد اور تفسیر فیضی ۱۲۳
- ۲۲۸- الصلح خیر۔ اور صلح شاہ ایران و ہند ۱۲۳
- ۲۲۹- غلبت الروم اور فتح تیمور ۱۲۳
- ۲۳۰- روح وریحان اور فوت عالمگیر ۱۲۳
- ۲۳۱- مرزا صاحب کا کشف الفاظ غلام احمد قادیانی پر ۱۲۴
- ۲۳۲- الفاظ بالامدح و ذم پر دال نہیں ۱۲۴
- ۲۳۳- مولوی سید نذیر حسین دہلوی اور مرزا کے ساتھ سنہ مناظرہ ۱۲۴
- ۲۳۴- سید محمد نذیر حسین دہلوی کے الفاظ سے سنہ مناظرہ ۱۲۴
- ۲۳۵- قرآن کا ۱۲۷ھ میں زمین سے اٹھایا جانا مرزا کا پھر اُسے زمین پر لانا ۱۲۵
- ۲۳۶- ذہاب بہ کی ضمیر کا مرجع ۱۲۵
- ۲۳۷- پوری آیت۔ مرجع بہ قرآن مجید نہیں بلکہ پانی ہے۔ ۱۲۵
- ۲۳۸- مرزا جی کا قابل اعتراض طریق استدلال کہ قرآن کا اٹھایا جانا قرآن سے بتایا اور واپس لانا ایک روایت سے۔ ۱۲۶
- ۲۳۹- مرزا جی فارسی النسل نہیں سمرقندی ہیں ۱۲۶
- ۲۴۰- سمرقندی نہیں مغل ہیں ۱۲۶

- ۲۴۱- حدیث ابوداؤد میں مغل ہلاک کنندہ امت بتائے گئے ہیں ۱۲۷
- ۲۴۲- حدیث لو کان الایمان کا غلط ترجمہ ۱۲۷
- ۲۴۳- سلمان پارسی رضی اللہ عنہ ۱۲۷
- ۲۴۴- حج الکرامہ اور علامت نزول مسیح ۱۲۸
- ۲۴۵- بروایت صحیحین عہد مسیح میں کثرت مال ضروری ہے۔ ۱۲۹
مرزا جی خود چندہ کے طالب
- ۲۴۶- عہد مسیح میں رغبت عبادت کا سب اشیاء پر غالب آنا۔ اور عہد مرزا جی میں کثرت فسق و فجور ۱۲۹
- ۲۴۷- عہد مسیح میں تاغض و تحاسد نہ ہونا۔ خود مرزائیوں کے اندر ان عیوب کا ”رسالہ شہادت القرآن“ سے ثبوت مع شہادت حکیم نور الدین صاحب ۱۳۰
- ۲۴۸- درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے ۱۳۱
- ۲۴۹- ازالہ میں شناخت مسیح صادق ۱۳۱
- ۲۵۰- ابن صیاد اور دجال معبود ۱۳۱
- ۲۵۱- مرزا جی کا اقرار کہ ممکن بالکل ممکن ہے کہ کوئی اور مسیح ظاہری جلال و اقبال کے ساتھ آئے۔ ۱۳۱
- ۲۵۲- حکیم نور الدین کی شہادت اصل مسیح کے سامنے ۱۳۲
مرزائیوں کا عذر کیا ہوگا
- ۲۵۳- مرزا جی کے مسیح موعود نہ ہونے پر مسیح علیہ السلام کی ۱۳۲

- ۲۵۶- شعر نعمت اللہ ولی سے مرزا جی کا مسیح نہ ہوتا ۱۳۴
- ۲۵۷- مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر آٹھویں علامت ۱۳۵
- ۲۵۸- نویں دلیل مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر حدیث جابر رضی اللہ عنہ ۱۳۵
- ۲۵۹- لامہدی الایسی کا وضعی ہونا ۱۳۶
- ۲۶۰- دسویں دلیل حدیث ابن الجوزی مرزا جی کے مسیح نہ ہونے پر ۱۳۶
- ۲۶۱- گیارہویں دلیل مرزا کے مسیح موعود نہ ہونے پر ۱۳۶
- ۲۶۲- مصنف کی پیشین گوئی کہ مرزا جی کو حج کعبہ نصیب نہ ہوگا۔ ۱۳۶
- ۲۶۳- قریب تر بامن ۱۳۷
- ۲۶۴- خطرہ سے کوئی معصوم و محفوظ نہیں ہو سکتا ۱۳۷
- ۲۶۵- حسن ظن کی حدود ۱۳۷
- ۲۶۶- تفسیر ابو ہریرہ و حیات مسیح ۱۳۹
- ۲۶۷- ائمہ حدیث و حیات مسیح ۱۳۹
- ۲۶۸- انی متوفیک ۱۳۹
- ۲۶۹- انه لعلم للساعة کی تفسیر ۱۳۹
- ۲۷۰- تفسیر ابن حریر و تفسیر ان من اهل الكتاب ۱۴۰
- ۲۷۱- کعب و حسن۔ مجاہد نزول و حیات مسیح ۱۴۰
- ۲۷۲- تفاسیر ۱۴۰
- ۲۷۳- داعی الی اللہ کون ہے ۱۴۱
- ۲۷۴- پیشین گوئی اور وساوس ۱۴۲
- ۲۷۵- ۲ ج. فتح، کا فتح، ۱۴۲

- ۲۷۶- مرزاجی اور عبدہ ورسولہ کا دعویٰ ۱۴۳
- ۲۷۷- حسن ظن کی حد ۱۴۳
- ۲۷۸- جدید فرقے ۱۴۳
- ۲۷۹- دافع الوسوس اور اقتداری کن ۱۴۴
- ۲۸۰- قیامت اور ۷ ہزار برس ۱۴۶
- ۲۸۱- نصوص قطعیہ کا انکار ۱۴۶
- ۲۸۲- مضمون الہام و مکاشفہ ۱۴۷
- ۲۸۳- الہام ربانی و شیطانی بقول مرزا ۱۴۸
- ۲۸۴- قاضی ثناء اللہ اور الہام ۱۴۸
- ۲۸۵- الہام اور ابوسلیمان دارانیؒ ۱۴۸
- ۲۸۶- الہام اور پیران پیرؒ ۱۴۸
- ۲۸۷- الہام اور خواجہ معصوم قدس اللہ سرہ ۱۴۹
- ۲۸۸- کشف ۱۴۹
- ۲۸۹- خواب انبیاء ۱۴۹
- ۲۹۰- اقرار مرزا کہ کشف میں احتمال خطا ہے ۱۵۰
- ۲۹۱- مرزاجی انبیاء کے الہامات و مکاشفات کو بھی صحیح نہیں سمجھتے ۱۵۰
- ۲۹۲- مرزاجی کا بیان کہ چار سونیوں کی متفقہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی ۱۵۰
- ۲۹۳- مرزاجی نے توراۃ کا مضمون بالکل بدل دیا ۱۵۱
- ۲۹۴- توراۃ کا اہل بیان کہ وہ چار شخص بت پرست اور بعل کے پجاری تھے اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام اس زمانہ میں واحد نبی تھے ۱۵۱

- ۲۹۵- سب بت پرستوں کا ایلایہ بنی کے سامنے ذلیل
دخوار ہونا۔ یتیم و بیوہ کے ظلم کا انجام
- ۲۹۶- مرزا جی نے بت پرستوں کو نبی بنایا اور پھر ان پر
عاجزی کے ساتھ اپنے تفوق کا ذکر کیا
- ۲۹۷- قول مرزا کہ مسیح کا مکاشفہ بہت صاف نہ تھا
- ۲۹۸- قول مرزا کہ کچھ تعجب نہیں کہ نبی ﷺ پر ابن مریم،
دجال وغیرہ کی اصل حقیقت نہ کھلی ہو
- ۲۹۹- مرزا جی نے محدث کا درجہ سب سے بلند بتلایا کیوں
کہ خود کو محدث کہا ہے
- ۳۰۰- امت محمدیہ میں صرف عمر فاروق محدث تھے۔
- ۳۰۱- کتاب الفرقان لابن تیمیہ کی ایک فصل کی نقل
- ۳۰۲- ولی بنی میں فرق
- ۳۰۳- محدثیت عمر رضی اللہ عنہ
- ۳۰۴- رجوع عمرؓ
- ۳۰۵- نبی ﷺ نے اپنے خواب سے تعین مدت نہیں فرمائی
تھی
- ۳۰۶- مرزا جی کی مقرر کردہ صفات محدثیت عمر فاروق میں
بھی نہیں پائی جاتی
- ۳۰۷- عمرؓ اور خلافت سے انکار
- ۳۰۸- صدیق و بو تراب رضی اللہ عنہ
- ۳۰۹- دعاوی مرزا بنی برالہام خود ہیں
- ۳۱۰- اپنے الہام کے اور فہم کے امکانی غلط ہونے پر اقرار
- مرزا

- ۳۱۱- مسئلہ دریافت طلب از مرزاجی کہ جب ایک ہی ۱۶۳
 شخص کے دو الہام ہوں۔ ایک مطابق جمہور ایک
 مخالف جمہور تب ترجیح کس کو ہے
- ۳۱۲- مضمون امام محمد بن عبداللہ المہدی منقول از اقترب ۱۶۴
 الساعة
- ۳۱۳- علامات مسیح ۱۶۹
- ۳۱۴- خصوصیات زمانہ مسیح ۱۷۲
- ۳۱۵- سیرت مسیح ۱۷۴
- ۳۱۶- دعاء ۱۷۵



DARUL ILM

PUBLISHERS & DISTRIBUTORS

242, J.B.B. Marg, (Belasis Road),
Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)

Tel,: (+91-22) 2308 8989, 2308 2231

fax :(+91-22) 2302 0482

E-mail : ilmpublication@yahoo.co.in